متفرقاتِ غالب

از

پرتو روہیلہ

ادارۂ یادگارِ غالب ○ کراچی

متفرقاتِ غالب

مرتبہ مسعود حسن رضوی ادیب

کے فارسی خطوط کا اردو ترجمہ

مع فارسی متن، سوانح مکتوب الیہم و فرہنگ

از

پرتو روہیلہ

ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ یادگارِ غالب

شمارہ: ۵۷

طباعت اول: ۲۰۰۵ء

طابع: احمد برادرز

ناظم آباد، کراچی

تعداد: پانچ سو

قیمت: ایک سو بیس روپے

ادارۂ یادگارِ غالب

غالب لائبریری

پوسٹ بکس نمبر: ۲۳۶۹۸

دوسری منزل، چھتری گلی، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

مطالعاتِ غالب اوران کا فروغ اوران کی اشاعت ادارۂ یادگارِ غالب کی ترجیحات میں شامل ہے۔اس ضمن میں متعدد اہم تصانیف وتالیفات ادارے نے اہلِ علم اور شائقینِ غالب کی خدمت میں پیش کی ہیں، اور ادارہ اپنے وسائل کی حد تک —یا ممکنہ ذرائع سے استفادہ کرتے ہوئے—اس سلسلے کو مزید فروغ دینے کے لیے کوشاں ہے۔

زیرِ نظر تصنیف—اس ذیل میں، ادارے کی ایک ایسی ہی پیش کش ہے، جو اپنے موضوع اور اپنے مباحث ومطالعات پر اس کے فاضل مؤلف جناب پرتو روہیلہ کی محنت وجستجو کا ایک نتیجہ ہے۔

غالب—جناب روہیلہ صاحب کی دل چسپی اور توجہ کا ایک محبوب اور مستقل موضوع ہے۔ ادارے نے قبل ازیں ان کی دو قابلِ قدر کاوشیں "آہنگِ پنجم"، پنج آہنگ کے اردو ترجمے میں شامل غالب کے فارسی خطوط اور "نامہ ہائے فارسی غالب" کا اردو ترجمہ شائقینِ غالب کی خدمت میں پیش کرنے کا اعزاز حاصل کیا ہے، جسے بے حد پسند کیا گیا اور غالبیات میں ایک مفید اضافے سے تعبیر کیا گیا۔ادارے کو یقین ہے کہ زیرِ نظر تصنیف بھی غالبیات میں فاضل مؤلف کی ایک لائقِ تحسین کاوش کے طور پر شمار ہوگی اور غالبیات کا مطالعہ کرنے والوں اور محققین کے لیے ایک بے حد مفید ومعاون ماخذ کی حیثیت اختیار کرے گی۔

معین الدین عقیل

فہرست

باسمہٖ

پیش گفتار

''نامہ ہائے فارسی غالبؔ'' کے فوراً بعد ''متفرقات غالبؔ'' کا ترجمہ ہوا۔ چنانچہ ۱۹۹۸ کے اوائل میں یہ ترجمہ طباعت کے لیے ہر طرح تیار تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے انسانوں کی طرح کتابوں کی بھی اپنی قسمت ہوتی ہے' کچھ پتہ نہیں ہوتا کب کھلے۔ سو متفرقات کے ترجمے کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ میں کاموں میں ایسا الجھا رہا کہ اس کا خیال ہی نہ آیا اور یکدم نومبر ۲۰۰۴ آپہونچا تو ایک دن ''متفرقات غالبؔ'' ذہن پر کوندا۔ اسوقت احساس ہوا کہ چھ سال بیت چکے ہیں۔ لیکن دیر آید درست آید کے مصداق یہ تاخیر ''متفرقات'' کے ضمن میں باعث خیر ہوئی اور وہ اس طرح کہ اب اردو ترجمے کے ساتھ فارسی متن بھی کتاب میں شامل ہے اور اس طرح کتاب بالترتیب اردو ترجمہ' فارسی متن' مکتوب الیہم کے سوانحی احوال اور فرہنگ کے چار حصوں پر مشتمل ہے۔ گویا ''متفرقاتِ غالبؔ'' اب ایک مکمل اور زیادہ قیمتی کتاب کی حیثیت سے آپ کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرے یہ کہ ''نامہ ہائے فارسی غالبؔ'' کے بارے میں کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ اس کا خط بہت باریک ہے۔ چنانچہ ''متفرقات'' کی تحریر سے اس نقص کو بھی دور کر دیا گیا ہے۔ اب خط قدرے موٹا اور نتیجۃً تحریر زیادہ واضح اور روشن ہے۔

ترجمے کے لیے میرے پاس کتاب نگر' دین دیال روڈ' لکھنؤ کا ۱۹۶۹ والا دوسرا ایڈیشن تھا جس کی طباعت نظامی پریس میں ہوئی ہے اور جس میں فاضل مؤلف سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ کا ایک طویل اور مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے۔ اس مقدمے کے ذریعے انہوں نے

اس تالیف کے محتویات کا تعارف کرایا ہے۔ اس لیے میں زیر نظر خطوط کے تعارف کے لیے ان ہی کے الفاظ تحریر کرتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں۔

"میرے کتب خانے میں ایک بیاض ہے جس میں مرزا غالبؔ کے اڑھتالیس (۴۸) فارسی خط، دو فارسی قطعے، ایک فارسی مثنوی اور ایک اردو غزل بھی شامل ہے۔ یہ کل خط ایسے لوگوں کے نام ہیں جو کلکتے میں مقیم تھے...... اس بیاض میں جو خط شامل ہیں وہ ایک کے سوا سب فارسی میں ہیں۔ ان میں آخر کے بیس (۲۰) خط مرزا ابوالقاسم خان قاسمؔ کے نام ہیں...... بقیہ خطوں کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے اکیس (۲۱) خط مولوی سراج الدین احمد کے نام، چھ (۶) خط مرزا احمد بیگ خان کے نام اور ایک (۱) خط ادارۂ جامِ جہاں کے نام ہے۔ مولوی سراج الدین احمد کے نام جو خط ہیں ان میں گیارہ ایسے ہیں جو غالبؔ کی کتاب پنج آہنگ میں شامل ہیں۔ مگر وہاں ان میں سے بہت بہت سی عبارت حذف کر دی گئی ہے اور جگہ جگہ لفظ اور فقرے بدل دیے گئے ہیں۔ اس لیے یہ خط اپنی اصل صورت میں شائع کیے جا رہے ہیں۔ ایسے ہر خط کے آخر میں پنج آہنگ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۲۸۷ھ کے اس صفحہ یا صفحوں کا حوالہ دے دیا گیا ہے جن میں وہ خط درج ہے۔ اس طرح ان خطوں کا مقابلہ کرنے میں آسانی ہوگی"۔

"میرے کتب خانے میں انشائے طاہر وحید کا ایک پرانا قلمی نسخہ ہے۔ اس کے شروع میں دو سادے ورق تھے جن میں غالبؔ کا ایک طولانی خط ناسخ کے نام کسی نے نقل کر لیا تھا اور اس پر یہ عبارت لکھ دی تھی "نقل خط مرزا اسد اللہ خان غالبؔ کہ بہ شیخ ناسخ نوشتہ بودند"۔ اس خط کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ غالبؔ کی مالی پریشانیوں کا حال سن کر شیخ ناسخ نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ دکن چلے جائیں جہاں مہاراجہ چندولال کی فیاضیاں ان کو آسودہ بنا سکتی تھیں"۔ فاضل مولف سے اس خط کے متعلق یہ بتانا کہ یہ بھی پنج آہنگ میں شامل ہے اور ہو بہو اسی شکل میں صرف نظر ہو گیا ہے۔

اب فاضل مولف کے بیان کی وضاحت اس طرح ہوگی کہ اس تالیف میں کل پچاس خطوط ہیں۔ آخری یعنی پچاسواں خط جو منشی ولایت علی صفی پوری کے نام ہے اردو میں ہونے کے سبب ہمارے دائرۂ کار سے خارج ہے اور اس طرح اس ترجمے میں بالتفصیل ذیل انچاس (۴۹) فارسی کے خطوط ہیں۔

۱۔	خطوط بنام مولوی سراج الدین احمد	۴۱
۲۔	" " مرزا احمد بیگ خان	۶
۳۔	" " مرزا ابوالقاسم خان	۲۰
۴۔	خط بنام جام جہاں نما	۱
۵۔	خط بنام شیخ ناسخ	۱

		۴۹

اب کچھ ترجمے کی بابت۔ حسب سابق ترجمہ کرتے ہوئے یہ مقصد پیش نظر رہا ہے کہ وہ متن کے عین مطابق ہو۔ اگر ایسا بوجوہ ممکن نہ ہو سکے تو متن سے قریب ترین ضرور ہو کہ قاری، خطوط نگار کی لطافت خیال ہی سے نہیں اس کی اسلوب نگارش سے بھی آشنا ہو سکے۔ چنانچہ اکثر و بیشتر اظہار و بیان کا وہ پیچیدہ اور پُر تکلف طریقہ جو اس زمانے میں رائج تھا ترجمے میں بھی برقرار رکھا گیا ہے۔ مزید یہ کہ گفتگو کی روانی برقرار رکھنے اور عبارت کی بے ربطی دور کرنے کے لیے جگہ جگہ جملوں کے درمیان قوسین میں ایسے الفاظ کا اضافہ کر دیا گیا ہے جو اصل متن میں مقدر تو ہیں لیکن ترجمے میں ان کا اظہار بھی اردو اسلوب بیان کے لیے ضروری ہے۔

شیخ ناسخ اور جام جہاں نما کے علاوہ باقی دوسرے مکتوب الیہم کے کوائف و سوانحی احوال عبدالروف عروج کی ''بزم غالب'' سے لیے گئے ہیں۔ جبکہ جام جہاں نما کے کوائف حاصل کرنے کے لیے ڈاکٹر طاہر مسعود کی مشہور تصنیف ''اردو صحافت انیسویں صدی میں'' سے

مدد لی گئی ہے۔ شیخ ناسخ کے سوانحی احوال کے حصول میں مکرمی و معظمی جمیل جالبی کا تعاون شامل حال تھا۔ میرے مشفق و محسن ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے ایک بار پھر انتہائی مصروفیت کے باوجود وقت نکال کر مسودہ پر نظر ثانی کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ ترجمہ بھی آپ کے ذوق کے مطابق ہوگا۔

آپ سے رخصت ہونے سے پیشتر ایک بات اور بھی کہتا چلوں۔ اب کہ غالب کے فارسی خطوط کی کتب میں یہ آخری کتاب ہے جو طباعت کے لیے جارہی ہے' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غالب کے فارسی خطوط کی ساری کتابوں کے تراجم کی طباعت اور خطوط کی تعداد کا خاکہ بھی پیش کر دیا جائے تاکہ ادب کے ہر طالب علم کے کام آئے۔

نام کتاب	ترتیب و تدوین	مترجم	طابع	سال طباعت	تعداد خطوط
۱-نامہ ہائی فارسی غالب	سید علی اکبر ترمذی	پرتو روہیلہ	ادارۂ یادگار غالب-کراچی	۱۹۹۹	۳۱
۲-سہ آثر غالب	قاضی عبدالودود	"	"	۲۰۰۰	۳۲
۳-باغ دو در	وزیر الحسن عابدی	"	بزم علم و فن (انٹرنیشنل) اسلام آباد	۲۰۰۰	۶۰
۴-آہنگ پنجم	مجلس یادگار غالب پنجاب	"	ادارۂ یادگار غالب کراچی	۲۰۰۳	۱۶۹
۵-متفرقات غالب	مسعود حسن رضوی ادیب	"	"	زیر نظر	۴۹

					۳۴۱

اس طرح ان خطوط کی کل تعداد تین سو اکتالیس (۳۴۱) بنتی ہے۔ واضح ہو کہ غالب کے پراگندہ خطوط بھی جن کی کل تعداد چھتیس (۳۶) ہے اور جو تیرہ (۱۳) مختلف مکتوب الیہم کے نام ہیں ۲۰۰۱ میں ترجمہ کئے جا چکے ہیں۔ خدا کرے ان کی طباعت بھی جلد ہی پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

پرتو روہیلہ

حصّہ اوّل

فارسی مکتوبات کا اردو ترجمہ

باسمہٖ

(اردو ترجمہ)

مکتوبات

بنام مولوی سراج الدین احمد

خط (۱)

میرے مالک میرے خداوند!

آج جمادی الثانی کی پہلی تاریخ اتوار کے روز صبح آوارگی کے اونٹ نے دہلی کے مسافر خانے میں پڑاؤ ڈال دیا۔ مجھے اُن نیکوکاروں کی ہمدردی اور غربا پروری پر فخر ہے کہ جن کے تلووں سے میری آنکھیں (ایسی) آشنا ہوئیں کہ مجھ جیسے دیوانہ حال کے لیے وطن کو غربت سے زیادہ تلخ بنا دیا۔ (خدا کی قسم' خدا کی قسم' اور ایک بار پھر خدا کی قسم) کہ ورود دہلی سے کلکتہ چھوٹنے کا غم (ہی) زائل نہیں ہوا' تو بھلا مسرت کا کیا مقام ہے۔ ایک ایسی پریشان حالی میں مبتلا ہوں کہ صاحب نظر لوگوں میں سے کوئی بھی مجھے دیکھے تو یہ نہیں سمجھے گا کہ مسافر اپنی منزل پر پہونچ چکا ہے بلکہ خیال کرے گا کہ کوئی مصیبت زدہ ہے کہ وطن سے تازہ تازہ گرفتارِ غربت ہوا ہے۔ ہاں' ہاں' میرا حال ایسا ہی ہے' اور ایسا کیوں نہ ہوگا کہ مولوی سراج الدین احمد' مرزا احمد بیگ خان اور ابوالقاسم خان سے جدا ہو گیا ہوں۔ افسوس اپنے آپ پر اور اپنی اوقات پر۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس تین سال کے عرصے میں دلّی کے اشراف کے طور طریقے بدل گئے اور دوستوں کی فطرت سے محبت و مروّت کا نام مٹ گیا۔ ہم مزاج دوستوں میں ایک ٹولی مسافرِ عدم ہو گئی اور بزمِ محبت کے بدمستوں نے جامِ فنا پی لیا۔ مقتدر و اہل

بصیرت گمنامی کی خانقاہوں میں جا چھپے اور کمینے اور فرومایہ (اس) میدانِ قیامت کی رونق بن گئے۔ عدالت کی حالت طالبان عدل سے بدتر اور عوام کا دن بے وفاؤں کی آنکھ سے زیادہ سیاہ ہے۔ اس (ہی) جماعت میں سے ایک میں بھی ہوں کہ جب سے (دلّی) پہنچا ہوں ہر سمت بھاگ رہا ہوں لیکن کسی کی طبیعت میں خجالت کے آثار نہیں دیکھے۔ جو معزول ہے وہ اپنی فکر میں سرگرداں ہے اور جو تعینات ہے وہ آشفتۂ شہر ہے۔ حیرت اس امر پر ہے کہ وہ (یعنی معزول) زائل شدہ ٹھاٹھ باٹھ کی واپسی کا امیدوار ہے اور یہ (یعنی منصوب) حاصل شدہ شان وشوکت کے ہاتھ سے نکل جانے سے خوف زدہ ہے۔ اُس گرامی نامہ میں کہ مجھے باندے میں ملا تھا صاحبانِ خسرونشان کے دنیا کو فتح کرنیوالے علموں کے کوچ کی خبر تھی جو تا حال وقوع پذیر نہیں ہوا۔ شاید اس حکم کا نفاذ ہی نہ ہوا ہو۔ چاہتا تھا کہ منصفِ مظلوم پرور کو ایک درخواست لکھوں اور آپ کو بھیج دوں۔ لیکن چونکہ یہ معلوم نہیں تھا کہ آج کل ان کا دربار کس علاقے میں لگ رہا ہے اس لیے آرزو کا یہ نقش دل ہی میں محو ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی درخواست کا احوال بھی کہ جو باندے سے بھیجا تھا۔ نہ معلوم اس پر کیا گزری اور منصف کے دل میں میرا کیا مقام ہے۔ مجبوراً آپ کو زحمت دے رہا ہوں کہ خدا کے واسطے میری بے کسی کو نظر میں رکھ کر میری باندے سے ارسال کردہ درخواست پر منصف کی کاروائی اور اس ذیل میں میری طرف ان کی حدِ توجہ اور اس کے طور طریق غرضیکہ جو کچھ بھی پیش آیا ہو تحریر فرمائیں۔ اگر یہ خط مرزا صاحب کے خط میں رکھ کر بھیج دیں تو سہولت ہوگی۔ اور اگر علیحدہ ارسال کرنا چاہیں تو یہ پتہ لکھیں "یہ خط دہلی میں حویلی نواب عبدالرحمٰن خان میں پہونچ کر اسد کو ملے"۔ خداوندا چونکہ میرا یہ نامۂ پریشاں

آثارِ شوق سے عاری ہے (اس لیے) یہ نہ سمجھیں کہ میں دلگیر ہوں بلکہ یہ ایسا خط ہے کہ میں نے انتہائے آشفتگی و پریشان حالی میں لکھا ہے' صرف اس لیے کہ آپ کو اپنے احوال سے باخبر کر دوں۔ اس کے بعد کہ خاطر مجتمع اور سانس درست ہو جائے گی (پھر دیکھیے گا) میرے عاشقانہ عبودیت نامے اس حد تک پہنچا کریں گے کہ (ان کے لیے) کاغذ کے دستوں کے دستے چاہیے ہوں گے۔ والسلام۔ خاتمہ بالخیر۔

خط (۲)

میرے مالک میرے خداوند'

آج کہ شوال کی آٹھویں اور جمعہ کا دن ہے' دن چڑھے جناب کا گرامی نامہ پہنچا۔ مسرت کی خوش خبری دی اور دل کو غم سے نجات۔ لفافہ کھولا تو وہی نظر آیا جو (ہمیشہ) چشمِ تصور سے دیکھتا تھا۔ میرا خدا میرے ساتھ ہے' دیکھتا ہوں کہ کامرانی کس کو نصیب ہوتی ہے۔ آپ کے گرامی نامے کے جواب کو حقیقت کے معلوم ہونے اور مرزا غلام عباس خان کی طلبی پر موقوف کر رکھا ہے۔ (چنانچہ) جو کچھ لکھنا ہے ایک ہفتے بعد لکھوں گا۔ آپ خاطر جمع رکھیے اور مجھے اپنا بندہ سمجھیے۔ یہ چند سطریں جو لکھ رہا ہوں خاص طور پر آپ کے ملاحظے کے لیے ہیں۔ یہ کسی اور کو نہ دکھائیے۔ خود ملاحظہ کیجیے اور میرے دکھ کو سمجھیے۔ اولاً اپنی انصاف طلبی کی بابت آپ کو بتاؤں کہ اندر کا حال آپ کو معلوم ہو۔ سبحان اللہ میری نوکِ قلم سے کس روانی سے یہ بات نکلی۔ اپنی انصاف طلبی کا احوال سناتا ہوں۔ حیران ہوں کہ اس احوال کی بابت کیا کہوں کہ جو میں خود نہیں جانتا۔ مختصراً مطلب یہ کہ دہلی پہنچا اور حکام سے مرکزی دفتر کے حکم کے اجرا کی

درخواست کی۔ معلوم ہوا کہ مرکزی دفتر سے کوئی حکم نہیں ملا ہے۔ یقیناً کاغذ کھو گیا تھا یا ہوا میں اڑ گیا تھا۔ حاکم (متعلقہ) نے مہربانی کی اور مرکزی دفتر کو لکھا۔ اس کی نقل (ڈپلیکیٹ) آئی۔ حاکم نے اس کو دیکھا اور پھر شمس الدین خان کو خط لکھا۔ اور پھر نصر اللہ خان کے متعلقین کا احوال دوبارہ معلوم کرنا چاہا۔ مدعی علیہ نے جواب بھیجا کہ جنرل لارڈ لیک بہادر کے مہر زدہ پروانے کے مطابق اس جماعت کو پانچ ہزار روپیہ سالانہ دے رہا ہوں۔ حاکم نے معائنہ کے لیے اصل سند منگوائی۔ جب دستاویز پہنچی تو اس کی نقل رکھ لی اور اصل ارسال کنندہ کو واپس کر دی۔ اس نقل کی ایک نقل مجھے مرحمت فرمائی۔ خدا کی دی ہوئی عقل کے مطابق اس کا جو جواب مجھے پسندیدہ معلوم ہوا لکھا اور محکمہ کو ارسال کر دیا۔ اِس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ اصل احوال وحقیقتِ ماجرا کیا ہے۔ فلاں بیگ نے پیسے کے لالچ میں میری دشمنی پر کمر باندھ لی ہے۔ اور لوگوں کی نظر میں بہن اور اس کے بچوں کی اعانت کو غلط بیانی اور افترا کا سرمایہ بنا لیا ہے۔ میں حق جو اور حق پرست انسان ہوں۔ سچی بات کرتا ہوں اور سچائی ہی کی تلاش کرتا ہوں۔ نہ میں شمس الدین خان صاحب کا دشمن ہوں اور نہ خواجہ حاجی اور اس کے بیٹوں کا۔ شمس الدین خان میرا سالا ہے اور خواجہ حاجی میرے جدّ کے بارگیر کا بیٹا اور اس کے بیٹے دو پشتوں سے میرے خانہ زاد اور تین پشتوں سے میرے نمک پروردہ ہیں۔ احمد بخش خان سے کہ جو میری چچی کے بھائی اور میرے سسر کے بھائی تھے مجھے دو شکایات تھیں اور ہیں۔ پہلی تو وظیفہ (پنشن) میں بغیر کسی خطا و جرم کے کمی کر دینی ہے اور دوسری بغیر کسی استحقاق کے ثبوت کے خواجہ حاجی کی (پنشن میں) شمولیت ہے۔ اور میری ساری عرضداشتیں ان ہی شکایتوں سے بھری پڑی ہیں۔ شمس الدین خان

نے محکمہ کو پانچ ہزار روپے سالانہ کی ایک سند پیش کی۔ لیکن مجھے اس مقابلہ کی کوئی فکر نہیں۔ فلاں بیگ نے فتنہ انگیزی اور افترا پردازی کے ذریعے میری گردن پر خنجر چلایا۔ (اگرچہ) مجھے اس تنازعہ سے کوئی خوف نہیں۔ اولاً مجھے اہل حکومت کے ارباب عدل وانصاف کی ڈھارس ہے اور دوسرے مجھے اپنی حق گوئی پر اعتماد ہے۔ اور (۱) اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے اور حکم کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔ میں نے اپنے کام خدا کے حوالے کر دیے ہیں اور مجھے اپنے دشمنوں کے انبوہ سے خوف نہیں۔ آتش نمرود میں حضرت ابراہیم کے بال کی نوک بھی نہیں جلی اور فرعون کے جادوگروں کا گروہ موسیٰ کے جسم کو زک نہ پہنچا سکا۔ مجھے خدائے قادر سے بدظن ہونے کی اور دشمنوں کی فتنہ انگیزی سے ڈرنے کی (بھلا) کیا ضرورت ہے۔ آپ کے گرامی نامہ کے آنے سے پیشتر حکومت کے اہلکاروں میں سے ایک سے کرنیل املاک صاحب کے انتقال کی خبر سنی ہے۔ مخدومی مرزا ابوالقاسم خان صاحب اور مشفقی آقا محمد حسین صاحب کے لیے سخت رنجیدہ رہا ہوں۔ خدا کرے کہ وصیت نامے میں ایسی تحریر موجود ہو کہ ان کی کفایت کرے۔ افسوس مخدومی نواب مہدی علی خان بہادر کی خیریت سے بے خبر ہوں۔ ان پریشانیوں کی بنا پر جو دائیں بائیں سے مجھے خوف وخطر کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں خط لکھنے کی فرصت نہیں ملی ہے۔ لیکن نواب صاحب کو (ہم) خاکساروں کو

۱۔ واللہ مایشاء ویحکم مایرید۔ قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں۔ البتہ مندرجہ ذیل آیات ان سورتوں میں ملتی ہیں

۱۔ ان اللہ یفعل مایرید۔ سورۃ الحج ۱۴ ۲۔ ان اللہ یحکم مایرید۔ سورۃ مائدہ۔ ۱

۳۔ کذلک اللہ یفعل مایشاء۔ سورۃ آل عمران۔ ۴۰ ۴۔ ویفعل مایشاء۔ سورۃ ابراہیم ۲۷

۵۔ ان اللہ یفعل مایشاء۔ سورۃ الحج ۱۸

یاد کرنے کا کہاں خیال ہے۔ ان سطور کے لکھتے ہوئے مرزا داؤ د بیگ تشریف لے آئے اور ۲۸ رمضان کا لکھا ہوا خط پہنچایا۔ چونکہ خط کے امور جواب طلب کا جواب اس کے پہنچنے سے پیشتر ہی بطور کشف لکھ چکا ہوں' دوبارہ ان کو دہرانے پر توجہ نہیں دی۔ فلاں بیگ نے میرا حال پوچھا ہے۔ کیا کہنے میرے احوال کے کہ خدا کو قادر اور دانا جانتا اور انبیا کو اللہ کی جانب سے بھیجا ہوا سمجھتا اور حسین کو بندہ و طالب حق و برگزیدۂ حق گردانتا اور یزید کو ظالم' نا انصاف اور گنہگار تصور کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کیا لکھوں۔

خط (۳)

میرے مالک میرے آقا'

شوال کی سترھویں' اپریل کی گیارھویں تاریخ' اتوار کے دن ایسے وقت کہ باد بہاری چل رہی تھی اور پھول اور غنچے کھل رہے تھے آپ کا جانفزا خط ملا اور اس نے میری گود اور آغوش پھولوں سے بھر دی اور اُس کی آمد نے مجھے سرمایۂ مسرت سے مالا مال کر دیا۔ خدا کی قسم اس خط کی آمد میری آرزو کے حوصلے سے بڑھ کر تھی چونکہ میں نے اپنی حیرانی و پریشانی میں ایک خط غلط پتے پر کانپور بھیج دیا تھا۔ مجھے نہ آپ کا پتہ ہی معلوم تھا اور نہ جناب کی آمد کے وقت سے باخبر تھا۔ غرض یہ کہ آپ کے خط کو دیکھا (تو) سیکڑوں بار اپنی آنکھوں سے لگایا اور سر پر رکھا اور اپنی جان آپ کے سرِ آسمان خراش پر قربان کر دی۔ اور (آپ نے بھی) مجھے خط کے ملنے اور نہ ملنے کے جھگڑے سے آزاد کر دیا اور (ساتھ ہی) حرکت و عدم حرکت کی پریشانی سے رہائی دلائی۔ (میں

نے) آپ کی خیریت پر شکر کیا اور خدا کی بے انتہا حمد وثنا کی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ محبوب زمانہ ہیں ۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ انصاف اطاعت سے بڑھ کر ہے۔ مرزا احمد بیگ خان' دنیائے محبت اور جہان الفت ہیں۔ دو تین ماہ انہوں نے میرے حال سے غفلت برتی اور خط لکھنے سے بھی گریز کیا۔ تقریباً ایک ہفتہ ہوتا ہے کہ ان کے (یکلدم) دو خط ملے۔ اپنی کوتاہ قلمیوں کی معذرت چاہی تھی اور سب احوال لکھا تھا۔ میں نے بھی جوابات دیدیے ہیں۔ اطلاعاً آپ کو بھی بتا دیا ہے۔ میری جان! قصہ یہ ہے کہ مقدمہ کی ابتدا ہی سے مجھے احمد بخش خان سے دو شکایتیں ہیں۔ ایک تو وظیفہ (پنشن) میں کمی کر دینا اور دوسرے (پنشن میں) خواجہ حاجی کی شمولیت۔ اب کہ بات عدالت(۱) تک پہنچ چکی ہے بالفرض اگر نصر اللہ بیگ خان کے متعلقین کا وظیفہ (پنشن) پورے پانچ ہزار بھی قرار پائے مجھے (پھر بھی) خواجہ حاجی کی شمولیت پر شکایت ہوگی۔ خدا کی قسم فلاں بیگ مجھے آزار پہونچانے کے درپے ہے اور (اس نے) اپنی بہن کی اولاد کی مدد کو اس ایذارسانی کی سند بنالیا ہے۔ وہ دن بھی تھا کہ فلاں بیگ اور اس کا بہنوئی دونوں نصر اللہ بیگ خان کے رسالے میں بے حیثیت نوکر تھے۔ یہ سب تین پشتوں سے میرے اجداد کے نمک پروردہ ہیں۔ اور اس کا فرغدار نے میرے چچا کی موت کے بعد بھٹکے ہوؤں کو' کہ فلاں بیگ اس میں شامل تھا' اپنے ساتھ ملا لیا اور میرے چچا کے ترکے میں نقد وجنس' ہاتھی گھوڑے چھولداری خیمے جو کچھ بھی تھا صاف لے اڑا۔ اب کچھ تو بات کی تکمیل اور کچھ اس صفحہ کو پُر کرنے کی غرض

۱۔ متن میں یہ لفظ 'داور' لکھا ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ قیاساً 'داوار' یا 'داور' ہے۔ چنانچہ ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے

سے اصل مقدمہ کی تفصیل بتاتا ہوں۔ تو جان من بلکہ میری جان سے بھی بڑھ کر میں جب دلّی پہونچا اور حکام سے مرکزی دفتر کے حکم کی تعمیل کی درخواست کی تو معلوم ہوا کہ کولبرک صاحب کی رپورٹ کی نقل موجود ہے (لیکن) مرکزی دفتر کا حکمنامہ غائب ہے۔ حاکم (متعلقہ) نے دلدہی کی خاطر' یا ضابطے پر عمل کرتے ہوئے یا میرے دعوے کے سچ اور جھوٹ کی تصدیق کے لیے (غرض یہ کہ) صدر دفتر خط لکھ دیا۔ میں نے چونکہ سچ کہا تھا مرکزی دفتر سے (دستاویز کی) ڈپلیکیٹ (نقل) آ گئی۔ (اب) حاکم نے مدعا علیہ کو لکھا۔ مدعیٰ علیہ نے ایک سند جس پر جنرل لیک کی مہر لگی ہوئی تھی اور جو پانچ ہزار روپیہ سالانہ پر مشتمل تھی بھجوادی اور کہا" اس سند کے مطابق نصر اللہ بیگ خان کے متوسلین کو پانچ ہزار روپیہ دیتا ہوں۔ حاکم نے اس سند کی نقل مجھے دی اور مجھ سے اس کا جواب مانگا۔ میں نے اس سند کا جواب محکمے کے دفتر پہنچا دیا۔ در اصل یہ سند جعلی ہے اور میں نے اس سند کے جعلی ہونے کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ ان میں سے ایک (دلیل) یہ ہے کہ دلّی سے کلکتے تک اس سند کی نقل کسی دفتر میں نہیں ہے۔ اور اس وقت عدالت کا یہ حال ہے کہ حاکم نے میل ملاقات بند کر دی ہے اور اعتکاف میں بیٹھ گیا ہے۔ (چنانچہ) کام بگڑے ہوئے ہیں اور احوال خراب ہیں۔ دفتر کے اہلکار قسمیں کھاتے ہیں کہ سوائے پروانۂ راہداری کے اور کسی تحریر کو ہم نے ہاتھ نہیں لگایا ہے اور مشاہدہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔ حاکم ہی کہاں ہے کہ اس کو یہ طریقے اور احوال بتاؤں۔ جب تک حاکم پذیرائی کرتا تھا میں بھی جاتا اور (اس کے پاس) بیٹھا کرتا۔ چونکہ شعر وسخن کا ذوق رکھتا تھا اس لیے اکثر اوقات اسی ضمن میں بات چیت ہوا کرتی اور مطلب کی بات بھی کہہ دی جاتی۔ اُن دنوں ایسی رازداری نہیں

ہوا کرتی تھی۔ چونکہ مفسد نے ایسی شورش نہیں برپا کی تھی (سو میں بھی) موت سے پہلے واویلا کس طرح کرتا۔ اب کہ فتنے کی گرد اٹھی ہے تو میں کیا' کسی شخص کی بھی حاکم تک رسائی نہیں ہے۔ (لوگ) کہتے ہیں حاکم یہ چاہتا ہے کہ اگر مجھے مرکزی دفتر ہی سے استحکام کار کی خوش خبری ملے تو (میں بھی) کام کی طرف توجہ دوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ جھگڑا کب طے ہوتا ہے اور اس عرصے میں مستقل حاکم کون (مقرر) ہوتا ہے۔ غالب جتلا کی انصاف طلبی کا احوال یہ ہے کہ ایجاز واختصار سے بیان کیا گیا۔

خط (۴)

وہ جان کہ جس کے اجزا کا لطیف ترین حصہ تحلیل ہو گیا اور شراب سے تلچھٹ کی طرح اور آگ سے راکھ کی صورت جو کچھ باقی رہ گیا ہے اگر دوست کے قدموں پر بکھیر (بھی) دوں تو ڈرتا ہوں کہیں اس کے پائے نازک کو زحمت نہ ہو اور اگر اس قربانی کے لیے تیار نہیں ہوتا تو دنیائے محبت میں نادم ہوں گا۔ (سو) کیا کروں کہ حقِ محبت ادا کر کے احسانات کا شکر ادا کر سکوں۔ (اُس) گرامی نامہ کے مطالعہ نے کہ جو محبت پر مبنی تھا' مقصد کے محبوب کے جلوے کا آئینہ دار بنا دیا اور دنیائے اسرار کا ایک جہاں دکھا دیا۔ غالباً اس مبارک تحریر کے ارسال کے بعد اسد اللہ کا ایک دوسرا خط بھی آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ بات یہ ہے کہ میرے اوپر ایک بھاری بوجھ ہے اور اگر آپ (کم ہمتی نہ دکھائیں) اور فیاضانہ اس بوجھ کو اٹھا سکیں' اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ ایسا ہی کریں گے کہ احیاء زمانہ میں سے ہیں۔ اِس عدالت کی حالت اور اس محکمۂ گرامی کے مقتدرین کی صورت حال میری نظر میں (بھی) خدا کی قسم بالکل اسی طرح

ہے جیسے آپ نے لکھا ہے۔ لیکن دکھی رونے کے سوا کیا کرے' الم رسیدہ بین کرنے کے علاوہ کیا جانتا ہے اور زخمی کو مرہم کے علاوہ کس چیز کی جستجو ہوتی ہے۔ پرنسپ صاحب کا حال یہ ہے کہ انہیں اس معاملے سے تعلق ہی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ مجھ سے اور میرے مقدمے سے قدرے واقف ہیں اور اپنے عہد حکومت میں انہوں نے نواب والا منقبت کی خدمت میں میری قدر افزائی کی ہے اور میرے استحقاق کو سراہا ہے (اس لیے میں نے ان کو) دوستانہ خط لکھا ہے۔ خدایا' اتنا ہو جائے کہ میرا خط وصول کرلے اور میرے وکیل کو وکالت کے لیے قبول کرلے۔ اس کے بعد معاملات بہت اچھے اور امیدیں بہت۔ خدا کے واسطے کچھ کوشش کریں۔ اور یہ بھی اپنی کم ظرفی کا اظہار ہے کہ آپ کے سامنے اپنی سفارش کر رہا ہوں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میرا کام آپ کا کام ہے اور انصاف بالائے طاعت کے مصداق اگر اپنے کام کو آپ کا کام نہ جانتا تو ایسے بڑے بڑے راز کس طرح آپ کے سامنے (کھول کر) رکھ دیتا اور اپنے آپ کو کلیتاً آپ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا۔ چنانچہ اس امر کا ضرور التزام رہے کہ جو خط بھی میرا آپ کو ملے اس کو خود پڑھیں' مولانا کو دکھائیں اور پھاڑ ڈالیں اور پانی میں بہا دیں یا آگ میں ڈال دیں۔ پرانی بات کو نیا(۱) پیرایہ دیکر منشی صاحب کے پاس بھیجا ہے۔ اس کو بھی ملاحظہ کر لیجئے اور معاملات کو سمجھ کر ان کی تہ تک پہنچیے۔

۱۔ متن میں "بدوش جدید" لکھا ہے۔ ترجمہ "بروش جدید" کے قیاس پر کیا گیا ہے۔

خط (۵)

قبلۂ حاجات!

کل اکتوبر کی پندرھویں تاریخ آپ کا انتیس ستمبر کا لکھا ہوا پاک والا نامہ آئینہ سکندر کے ایک ورق کے ساتھ پہنچا۔ لیکن لفافے میں اخبار کے (دوسرے) اوراق باوجود تلاش کے نہ ملے۔ صرف اشتہار کا ورق تھا اور کچھ نہیں۔ میں نے دل میں کہا مخدوم نے اس ایک ورق کو بھیجنا ہی کافی سمجھا ہوگا۔ اب جو خط کھولا اور تحریر کردہ سطروں پر نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ جناب عالی نے اوراق اخبار کا شروع سے آخر تک ذکر کیا ہے لیکن اخبار اس لفافے میں موجود نہیں ہے۔ میں سمجھ گیا کہ لفافے میں خط رکھتے وقت اخبار کے اوراق لف کرنا یاد نہیں رہا۔ بہر حال آئینہ سکندری کا (وہ) ورق پڑھ کر میری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اور اس کی عبارت کی روانی نے منظر(۱) میں موتی پرو دیے۔ اب اچھی باتیں اور دل کش خبریں۔ اس شہر کے لوگ چونکہ اخبار جام جہاں نما کی بدعہدی سے سخت ناراض ہیں اس لیے اخبار کا کوئی ذوق نہیں رکھتے۔ مختصر یہ کہ اخبار کی ترویج کے سلسلے میں میری کوشش بیان سے باہر ہے۔ لیکن فوراً اس بارے میں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میرے برادر گرامی اپنی دلی رغبت کے ساتھ ان اوراق کے خریدار ہیں۔ بلکہ انہوں نے میرے ساتھ اخبار کی ترویج کے سلسلہ میں عہد یگانگت کیا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ اس قدر کوشش پر میں قانع نہیں ہوں۔

دوسروں کا چندہ بھی بھیجوں گا۔ غمخواری سے آراستہ قلم کی تحریر نے احوال معاملہ کے

۱۔ "نظارہ را بہ گوہر کشید"۔ گوہر کشیدن موتی پرونے کے معنی میں آتا ہے (بہار عجم)۔ باقی خیال آفرینی غالب کی ہے۔

بارے میں جو لکھا ہے' (اس نے) میری جہالت کو زیورِ آگاہی سے سجا دیا۔ لیکن اسی آگہی کے باوجود دل سے تشویش رفع نہیں ہوئی۔

خط (۶)

قبلۂ من'

ایک طویل مدت گزری اور گزر رہی ہے کہ میری آنکھیں آپ کے جواہر نامے کی سیاہی سے سرگیں نہیں ہوئیں۔ اس سے پیشتر غربا پروری کے ضمن میں جو مہربانی آپ نے کی ہے وہ نگینِ خاطر پر نقش ہے۔ خاص طور پر اس باب میں بھی خلجان میں مبتلا ہوں کہ محافظ خیال نے رسید جواب کی گرمی کو انتہا تک پہنچا دیا (لیکن) اب تک اس بہار کا رنگ ظاہر نہیں ہوا۔ میرا حال تو یہ ہے کہ اِس دشمن آباد (یعنی دلّی) کی عدالت سے کنارہ کش ہو کر اپنے غمکدے کی دیوار کا نقش ہو کر رہ گیا ہوں۔ بزم خیال میں (البتہ) امید کی شمع جلا رکھی ہے اور آنکھیں مرکزی دفتر کی انصاف پسندی سے پیوستہ ہیں۔ کیا بتاؤں کہ اردگرد کے حکام نے کیا کیا طریقے اختیار کیے ہیں اور کیا اطوار اپنائے ہیں۔ اگر کچھ عرصہ اور اسی طرز پر گزرتی رہی تو (لوگوں کے) گھر بار سیلاب فنا میں غرق ہو جائیں گے۔ خاص طور پر اس شہر میں اعیان زمانہ کی چغلخوری اور غمازی نے کہ جس کو حکام بھی رغبت کے کان سے سنتے ہیں' دنیا کو اپنے مال و متاع کی بنا پر لرزہ براندام کر دیا ہے۔ (ان حکام نے) واماندگاں کو مرکزی محکمے کے شفاخانے کے علاوہ کسی دوسری جگہ مرہم نوازش کی خبر نہیں دی ہے۔ چونکہ اُس عدالت میں کوئی بدعنوانی جائز نہیں ورنہ ہر طرف فساد کی گرد بلند اور ستم کی آگ روشن ہے۔

آج جبکہ ۱۲ جنوری سے جام جہاں نما کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ اُس علاقے میں وبا کا شہرہ ہے میں کہ خیر خواہ اور دوستوں کا دعا گو ہوں کیا بتاؤں کس قدر بے چین ہو گیا ہوں۔ امید اس بات کی ہے کہ آپ جلد سے جلد میری دادرسی کریں گے اور اپنی اور دوسرے مخلصوں اور متعلقین کی خیریت کی خبر بھیجیں گے تاکہ دل کی پریشانی کے لیے باعث سکون ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ جناب عالی مہربانی و ہمدردی کے سبب اس مظلوم کے مقدمے کے احوال کے بارے میں (خود ہی) تحریر فرمائیں گے۔ اس درخواست پر میں نے تکرار نہیں کی تاکہ طول کلامی اور سرکشی میری خصلت نہ قرار پائے۔ یہ پوشیدہ نہ رہے کہ اس خط کے جواب میں عجلت بمنزلہ مردے کو جان دینے اور پیاسے کو پانی دینے کے ہے۔ جناب مولوی صاحب قبلہ کو میری طرف سے ہزار طرح سے جھک جھک کر کورنش پیش کریں اور صد گونہ الفت و محبت کے ساتھ شوقِ دیدار آغا صاحب کی خدمت میں عرض کریں۔

خط (۷)

اہلِ صفا کے روشن ضمیر سے یہ بات مخفی نہ رہے کہ ایک مدت کے بعد خط کے آنے پر خوش ہو کر اس مہربانی کا شکر اپنی بساط کے مطابق ادا کیا اور دل کو سرمایۂ امید سے باحشمت بنایا ہے۔ مختصر یہ کہ مولوی صاحب کی طبیعت نے میری قوت برداشت کو متاثر کر کے میرے صبر و برداشت کی بنیاد (۱) میں آگ لگا دی ہے۔ آپ اور آپ

۱۔ دود از نہاد چیزی بر آوردن۔ کسی کی بنیاد میں آگ لگا دینا (بہارِ عجم)۔

؎ تا سبزۂ خط از لب جاناں بر آمدہ دود از نہادِ چشمۂ حیواں بر آمدہ (صائب)

کے چچا مقتدران زمانہ اور نیکان دہر میں ہیں۔ خدا کرے کہ آپ سلامت رہیں تادیر زندہ رہیں ہمیشہ چلتے پھرتے نظر آئیں دنیا سے آپ کو خیر ملے اور بلند مرتبوں پر پہنچیں۔ میں آپ کی ان مہربانیوں کو یاد کرتا ہوں کہ جب آپ طرح طرح سے پرسشِ احوال اور مہربانیاں کر کے مجھے نوازتے تھے اور مسافرت کے دکھ اور تنہائی کے غم میرے دل سے رفع کرتے تھے۔ جب سے آپ سے دور ہوا ہوں میں نے آرام کا چہرہ نہیں دیکھا اور محبت کی خوشبو نہیں سونگھی ہے۔ خدارا اگرچہ میں اس لائق نہیں کہ مجھے جلد جلد خط لکھا جائے لیکن (کم از کم) لطفِ گاہ گاہ سے تو محروم نہ کیجئے۔ اس وقت کہ دل حضرت مولوی صاحب کی طرف نگراں اور ان کی صحت اور خیریت کا طالب ہے آپ نے حکم دیا ہے کہ غالبؔ مغلوب اپنی جھوٹی سچی باتوں کو نظرِ اعجاز اثر میں لائے۔ اے میری جان کی پرورش کرنے والے اب وہ زمانہ کہاں کہ جب دستِ نوازش قلمِ رقصاں کے شانے پر ڈالتا اور قوت فکر سے ارباب فن کا پنجہ موڑ دیتا تھا۔ اب تو اپنی رنگ رنگ کی پریشانیوں میں مبتلا ہوں اور شعر گوئی کا قافیہ تنگ ہو گیا ہے۔ اس کے باوجود میری آگ سلگ رہی ہے دل کے زخم سے خون بہہ رہا ہے اور خیال کا ناخن جگر کریدنے میں مصروف ہے۔ چند غزلیں کہ جن سے طراوت فکر ظاہر ہوتی ہے اصلاح کی امید سے تحریر کر رہا ہوں۔

خط (۸)

یہ ایک معافی نامہ ہے ستم رسیدہ غالبؔ کی طرف سے سلطنتِ معنی کے حکمران فیض مآب مولوی سراج الدین احمد صاحب کے لیے۔ گزارش یہ ہے (کہ)

والا نامہ نے اپنے ورود کی نسیم سے میری گود اور آغوش کو پھولوں (۱) سے پُر کر دیا۔ جواب تحریر کرنے میں تامل لاپروائی کے سبب نہیں تھا۔ چاہتا تھا کہ کچھ سرمایہ تحریر ہاتھ آئے اور غیب سے آگہی کی بجلی چمکے۔ اب کہ مدعا طلبی کی منزل آ چکی ہے، قلم نے سر کے بل دوڑنا اور شوق نے جواب لکھنے کی تقریب شروع (۲) کر دی۔ اے فیض رساں آپ کے گرامی نامہ نے فیض بخش مولوی محمد خلیل الدین خان کی صحت سے آگاہ کیا۔ خدا کی قسم میں اِس خبر کا متلاشی اور اس نوید کا جویا تھا۔ میری طرف سے آدابِ زمین بوسی پہنچائیں اور خط نہ لکھنے کی دوبارہ معذرت کر لیں۔ امید ہے کہ ایک دو ہفتے کے اندر میرے اوسان بجا ہو جائیں گے اور میں بذریعہ تحریر جناب عالی کو اپنی یاد دلاؤں گا۔ اور دوسرے اس ہی مشکین گرامی نامہ میں آپ نے اپنے دعاگو کو شرعی حکم کے دریافت کرنے کی خدمت سرانجام دینے کی خوش خبری بھی دی ہے لیکن وہی دستاویز جو اس استفتا کا ذریعہ ہو سکتا ہے نہیں بھیجی ہے۔ اگرچہ اس کاغذ کے نہ بھیجنے اور اس کو آئندہ ارسال کرنے سے آگاہ کر دیا ہے۔ بہر طور (مجھے) آپ کی مرضی کی تعمیل کا منتظر رہنا چاہیے۔ آسمان اور ستاروں کی گردش کے سبب جو مجھے پیش آیا وہ یہ ہے کہ مئی کی چوتھی تاریخ کو جو ذی قعد کی گیارھویں ہوتی ہے میرے مقدمے کی رپورٹ مرکزی دفتر چلی گئی۔ ہائے ہائے کیا رپورٹ اور کیسا مقدمہ۔ ایسی رپورٹ کہ جو زلف محبوب کی طرح خم درخم اور دل زدوں کے احوال کی طرح برہم ہے۔ شروع میں جو میں

۱۔ متن میں "جیب وکنارم را بہ گل انباشت" ہے جبکہ ترجمہ "جیب وکنارم را بگل انباشت" کے قیاس پر کیا گیا ہے۔

۲۔ ساز کردن۔ بمعنی آغاز کردن۔ آمادہ کردن۔ عزم کردن۔ (فرہنگ معین)

حاکم کو مہربان سمجھتا تھا سو اب مجھے شرم آنی چاہیے اگر لمبی چوڑی بات کروں اور (اس کی) شکایت شروع کروں۔ اگر میری امید کی بنیاد مرکزی دفتر کی تحریر پر قائم نہ ہوتی تو اس عدالت کے عمائدین نے میرے وجود کی بنیاد میں (ضرور) رخنہ ڈال دیا ہوتا اور زہر ہلاہل میرے ساغر مقصد میں ملا دیا ہوتا۔ انصاف بالائے طاعت۔ اس غدّار زمانے کی ناسازی کے باوجود رپورٹ کا رنگ اس قدر ناگوار بھی نہیں ہے۔ فی الحال کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ نہالِ مراد کی بار آوری میں ابھی کچھ دن اور لگیں گے۔ خدا کا شکر ہے کہ انجام بخیر ہے۔ دوسرے ناانصاف مدّعی نے کہ جس نے کلکتہ میں میری غیر موجودگی میں فتنے کی گرد اٹھائی اور جھگڑے کی بنیاد رکھی ہے' نجانے اپنے کام میں کیا خرابی دیکھی کہ حال ہی میں بہن کے بچوں کو لکھا ہے کہ میں تمہاری فکر سے غافل نہیں ہوں۔ لیکن تمہیں چاہیے کہ تم پہلے سر رشتہ ریزیڈنٹی دہلی کے دفتر سے رجوع کرو۔ اور ایک صفحہ اپنے چہرے کی طرح سیاہ کرو اور دربار میں پہنچا دو تاکہ میرے لیے مرکزی دفتر سے انصاف طلبی کی کوئی بنیاد ہو سکے۔ اور بس یہ دو سطریں محض آپ کو مطلع کرنے کی غرض سے تھیں۔ والسلام۔

خط (۹)

خط دلنواز ایک طویل عرصے کے بعد ملا اور (اس نے) دوسری زندگی عطا کی تاکہ اس عمر کی کہ غم میں بسر ہو گئی' تلافی کر سکے۔ لیکن اس دل کا کہ جس کی فطرت ہی آمیختۂ غم ہو' خوش کرنا آسان نہیں۔ کیا زمانہ تھا کہ آپ کا خط پہنچا اور میں عالم سرخوشی میں چھلانگ مار کر کھڑا ہوا اور ایک دنیائے نشاط سے ہمکنار ہو گیا۔ لیکن اس بار ابھی

نظر اس تحریر کی سیاہی سے دوچار بھی نہیں ہوئی تھی کہ دنیا میری نظر میں اندھیر ہوگئی۔ پہلے پہل جو مجھے نظر آیا وہ ایسی دلدوز خبر تھی کہ جس نے دل سے لے کر جگر تک خون کردیا یعنی (آپ کی) ہمشیرہ کی وفات۔ میں اُس جماعت سے نہیں کہ جب دوست سے جدائی روپذیر ہو تو اس سے رسم وراہ بھی فراموش کردیں اور تعلقات کو بھلا بیٹھیں۔ مخدومہ مرحومہ وہی خاتون ہیں نا کہ جب ان کی طبیعت کی خرابی کی خبر کلکتے پہنچی تھی تو آپ کا دل بیٹھ گیا تھا اور آپ کے دل پر یکسر سراسیمگی چھا گئی تھی۔ مجھے اندازہ ہے کہ ان کی وفات سے آپ کے دشمنوں پر کیسی قیامت گزری ہوگی۔ قادرِ مطلق آپ کو صبر عطا فرمائے اور دل کو توانائی اور رضائے الٰہی پر راضی ہونے کی توفیق عطا کرے۔ اور اس المیہ کو آپ کی کتابِ زندگی میں غموں کا اختتام اور مصائب کا مقطع بنادے۔ میں سمجھ گیا کہ مولوی صاحب کو بواسیر کی وجہ سے بہت تکلیف رہی ہے لیکن خدا کے کرم سے اب آرام سے ہیں۔ نیک لوگوں کے ان رہ نما کی غریب نوازیاں میری نظر میں ہیں اور میں ان کا دعا گو ہوں۔ میری طرف سے تسلیمات پہنچایئے اور میری جانب سے یہ شعر پیش کردیجیے۔

گرچہ دورم از بساطِ قرب ہمت دور نیست

بندۂ شاہِ شمائیم و ثناخوان شما

(ترجمہ) اگرچہ میں بساطِ قرب سے دور ہوں لیکن حوصلہ دور نہیں ہے

آپ کے بادشاہ کا غلام ہوں اور آپ کا ثناخواں

معلوم ہوا کہ میرے مخدوم نئے علاقے سے خوش نہیں ہیں۔ اس انکشافِ حال نے ملال کی صحرا صحرا گرد دل پر ڈال دی۔ خدا کے واسطے دل تنگ نہ ہوں اور کلکتے

کو غنیمت سمجھیں۔ اس پاکیزگی کا شہر اور ایسی شادابی کا بہارستان روے زمین پر کہاں ہے۔ اس شہر کی خاک نشینی دوسری سرزمین کی سریر آرائی سے بہتر ہے۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں متاہل نہ ہوتا اور پرورش عیال کا طوق میری گردن میں نہ پڑا ہوتا تو جو کچھ بھی ہے اس سے دامن جھاڑ کر اپنے آپ کو اس جگہ پہنچاتا اور جب تک زندہ رہتا اسی جنت میں رہتا اور ہندوستان کی ناگوار آب وہوا کے دکھوں سے آرام پاتا۔ کیا کہنے ان ٹھنڈی ہواؤں کے اور کیا کہنے اس کے گوارا پانیوں کے۔ مبارک ہو وہ بادۂ ناب اور شاد باد وہ میوہ ہاے پیش رس۔ چنانچہ غالبؔ دہلوی کہتا ہے۔

ہمہ گر میوۂ فردوس بہ خوانت باشد
غالبؔ آں انبۂ بنگالہ فراموش مباد

(ترجمہ) اگر تیرے دسترخوان پر جنت کے سارے میوے بھی ہوں
(پھر بھی) غالبؔ بنگال کے وہ آم بھلائے نہیں جا سکتے

خط (۱۰)

میری زندگی اور میری جان،

آپ کے گرامی نامہ کے پہنچنے کے بعد میں اس فکر میں تھا کہ جواب تحریر کروں اور اپنا حال تفصیل سے لکھوں۔ کل کہ ذی الحجہ کی پندرھویں تاریخ اور پیر کا روز تھا، اطلاع ملی کہ مجموعۂ اخلاق کا شیرازۂ زندگی بکھر گیا۔ میرے منہ میں خاک، مسٹر اسٹرلنگ نے جان، جان آفرین کو سپرد کر دی۔ کاش میرے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیتے اور یہ سمع خراش خبر نہ پہنچاتے۔ اب کس سے غمخواری کی امید رکھوں اور دل

کو کس کی گردش چشم کے خیال سے تسکین دوں۔ وہ رپورٹ کہ مسٹر فرانسس ہاکنس نے مجھ کشتنی اور سوختنی کے مقدمے کے بارے میں مرکزی دفتر بھجوائی ہے' کیا بتاؤں کہ کس قدر امید شکن اور غم افزا رہی ہے۔ مجھے میدان فنا کے اُس تیز گام کی مشکل کشائی پر بھروسہ تھا۔ مدعی ناانصاف نے (میرے) مقصد کی راہ میں جو فساد کی گرد اڑائی ہے کیا بتاؤں کتنی نظارہ سوز اور جانکاہ ثابت ہوئی ہے۔ میں اس کی حمایت کے ہاتھ کے سایے تلے آرام کی زندگی گزار رہا تھا۔ اب تو دونوں طرف سے آسمان دشمن کی کامیابی کے درپے ہے۔ کہاں کا مقدمہ اور کیسی رپورٹ۔

از من خستہ چہ پرسی کہ چہ حال است ترا
حالِ من حال سگاں' ایں چہ سوال است ترا

(ترجمہ) مجھ تھکے ماندے سے تو کیا پوچھتا ہے کہ تیرا کیا حال ہے
میرا حال' کتوں کا حال (جیسا ہے) یہ تیرا سوال کیسا ہے!

خدارا اس خط کے جواب میں تامل نہ کیجئے گا۔ حالات تفصیل سے لکھیے کہ اُس اعلیٰ نسب کو کیا پیش آیا اور اُس باغ انسانیت کے پودے کو' کس آندھی نے جڑ سے اکھاڑ دیا اور پھر اس کے بعد دفتر کا کیا انجام ہوا اور اُس جگہ کون آیا۔ آیا مسٹر فریزر صاحب بہادر نے سکرٹری کونسل کے عہدے پر اپنے پاؤں جما دیے یا اس منصب کے لیے کسی دوسرے کو تعینات کیا گیا۔ مزید کہ ان حالات میں آپ پر کیسی گزری ہوگی لکھنے سے گریز نہ کریں اور جس قدر جلد ہو سکے لکھئے۔ اگرچہ گرامی نامے نے مخدومی جناب مولوی خلیل الدین خان صاحب کے احوال خیر میں ترقی کی خبر دیکر تمنا پر جنت کے دروازے کھول دیے ہیں لیکن خدا کی قسم وہ توانائی نہیں کہ لفظ لفظ

جوڑ کر مبارکباد کا ایک گلدستہ بناؤں۔ والسلام وھو خیر الکلام۔

خط (۱۱)

قبلۂ من،

بار ہا میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ شاید مولانا سراج الدین احمد کلکتے سے چلے گئے ہیں ورنہ مجھ سے اس قدر اجنبی ہو جانے اور اتنی مدت کے دوران خط نہ لکھنے اور یاد(۱) نہ کرنے کا کیا امکان تھا۔ پھر کہتا ہوں اگر ایسا ہی تھا تو بھلا انہوں نے مطلع کیوں نہیں کیا۔ کبھی دل میں یہ کھٹک ہوتی ہے کہ دوستوں کی دلدہی کے سبب مجھ سے اور میرے احوال سے صرفِ نظر کی ہے۔ خدا کی قسم کہ میرا دل اس قضیے میں گرفتار ہے اور اس امر کی گواہی نہیں دیتا۔ آپ کے دعوے کی سچائی، قول کی پختگی، مزاج کی ثابت قدمی اور طبیعت کی سنجیدگی مجھے اس وسوسے سے روکتی ہیں۔ غرضیکہ زمانے کے طور طریق سے حیرت زدہ اور گردشِ لیل ونہار کا مارا ہوا ہوں۔ جناب مستطاب مولانا حضرت عبدالکریم صاحب کی عرضداشت آپ کے خط میں لف کر کے آپ کو بھیج چکا ہوں۔ امید اس بات کی تھی کہ نسیم بہار سے زیادہ دل نواز ایک جواب آئے گا اور طبیعت کو خوشی دے گا وہ بھی میسّر نہ ہوا اور خیال خام ہو گیا۔ اپنی کامیابی اور ناکامی سے قطع نظر زمانے کے طور طریق کی بدنظمی پر حیران ہوں اور نہیں سمجھتا(۲) کہ ضابطے

۱۔ متن میں معلوم ہوتا ہے لفظ "یاد" رہ گیا ہے۔ ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔
۲۔ متن میں "ہیچ نمی ہمم" لکھا ہے۔ ترجمہ "ہیچ نمی فہم" کے قیاس پر کیا گیا ہے۔

کیوں پھر گئے اور دستور کس سبب الٹے ہو گئے۔ دو مہینے سے یہ سن رہا ہوں کہ مارٹن صاحب ریزیڈنٹ حیدرآباد دہلی کی ریزیڈنٹی کے لیے نامزد ہو گئے ہیں لیکن تا حال دہلی میں ان کے قدموں کی گرد نظر نہیں آتی۔ زمرۂ حکام کے خواص کو بھی آگاہی نہیں کہ وہ نامعلوم شخص کہاں ہے اور اس کی آمد میں تاخیر کیوں ہے۔

دوسرے مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ مسٹر اسٹرلنگ کے مرنے کے بعد دفتر پر کیا گزری۔ اسقدر واضح ہوا ہے کہ فی الحال سیمن فریزر صاحب سکرٹری کا کام کریں گے اور بس۔

خبر ہے کہ جناب نواب گورنر جنرل بہادر اکتوبر کے مہینے میں ہندوستان آئیں گے۔ گذشتہ سال میں نے عجیب قیامت عملے کے لوگوں اور دفتر کے متعلقین میں دیکھی ہے۔ بلکہ اس ہنگامے ہی میں میں نے بھی اپنی کشتی طوفانِ بلا میں ڈال دی ہے۔

ابھی جناب نواب اعلیٰ صفات کی آمد کی خبر پر مجھے یقین نہیں آ رہا۔ کاش دادخواہوں کے زمرے میں میرا شمار نہ ہوتا کہ اس کشمکش سے آزاد زندگی گزارتا اور خوشی اور غم کو یکساں سمجھتا۔ کیا کروں کہ دل اس جھگڑے سے تنگ ہے اور میں بے بس ہوں۔ تمام پریشان کن خبروں میں سے ایک یہ ہے کہ جناب نواب گورنر بہادر نے ایک پرائیویٹ کونسل (کی تشکیل) کا فیصلہ کیا ہے اور رام موہن رائے اس کونسل کے ایک رکن ہیں۔ اگر حقیقت یہی ہے تو میرے حال پر خون رونا چاہیے۔

آپ کو بھی اس راز کی کوئی خبر ہے! ہمہ تن چشم حیرت ہوں۔ خاص طور پر اپنے مقدمے کے بارے میں کہ ابتدا میں کس صورت پر تھا اور اب کیا پیش آیا۔ میں نے مانا کہ اسٹرلنگ کے نہ ہونے نے یہ خرابی کی بنیاد ڈالی لیکن دوسرے تمام اراکین کونسل تو وہی تھے کہ جنہوں نے ابتدا میں میرے مقدمہ کو

پروانۂ (۱) ورتی دیا تھا۔ حاکم دہلی نے (اگر) میرے بارے میں بدگوئی (۲) کی تو سابقہ حکم کو (انہوں نے) کیوں فراموش کر دیا۔ خدا بھلا کرے یہ شعر کہنے والے کا۔

ناکامی و کامیابی ماسہل است

لتاز ادائے بے روشی (۳) می رنجیم

ہماری کامیابی اور ناکامی معمولی بات ہے

(لیکن) ہمیں دکھ بے ضابطگی کی ادا سے ہوتا ہے

خیال میں آنے والی باتوں میں سے عجیب تر یہ ہے کہ وہ امر کہ جو فلاں بیگ کی رسوائی اور بدنامی کا باعث ہوا تھا یعنی رشوت ستانی' آجکل اس شخص کے دور میں کہ میں جس کا مارا ہوا ہوں' اس قدر عام ہو گیا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ نواب گورنر بہادر اس طرف توجہ کیوں نہیں دیتے اور خلقِ خدا کو اس ظالم کے پنجے سے نجات کیوں نہیں دلاتے۔ دوسرے اس اتفاق کی آگ سے سلگ رہا ہوں کہ کلکتے کے دوستوں مثل نواب علی اکبر خان و مولوی ولایت حسن صاحب ورائے رتن سنگھ سیما و جناب احمد بیگ خان نے' دو مہینے سے مجھے ایک سطر نہیں لکھی ہے۔ سو اب کیا کروں اور امداد سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کس سے اطلاع حاصل کروں اور کس طرح معلوم کروں کہ اس علاقے کا کیا احوال ہے۔ میرا زور تو آپ پر ہی چلتا ہے اور آپ کو میں نے صرف آج ہی نہیں بلکہ پہلے دن سے ہی صاحب دل اور روشن

۱۔ متن میں "پروازروائی" ہے۔ ترجمہ "پروانۂ روائی" کے قیاس پر کیا گیا ہے۔

۲۔ سعایت کے معنی ہی بدگوئی اور چغل خوری کے ہیں۔ اس کے ساتھ 'بد' کا لاحقہ فاضل ہے۔

۳۔ متن میں "بے روش" ہے جبکہ درست "بے روشی" معلوم ہوتا ہے۔

ضمیر گردانا ہے۔ خدا کے واسطے اور اُس محبت کے واسطے سے کہ میرے اور آپ کے درمیان ہے رحم کیجئے اور مختصراً تمام احوال کہ جو آپ کو معلوم ہو مجھے لکھیے کہ دل شکستہ کو سکون ملے۔ والسلام۔

خط (۱۲)

قبلۂ دیدہ و دل خدا آپ کو سلامت رکھے

میں حیران اس امر پر ہوں کہ ایک اقبال مند جواں سال حاکم کی اچانک موت میں کیا حکمت تھی اور قضا و قدر کے دفترِ اعلیٰ کے کارکنوں کو اس واقعہ سے کونسا عظیم نتیجہ نکالنا منظور تھا۔ اب معلوم ہوا کہ غالبؔ بدبخت کی امید کو سیلابِ فنا میں بہا دینا مقصود تھا اور اس کی صورت نہیں نکلتی تھی بجز اس طوفان ہوش ربا کے ظہور کے۔ اس ابہام کی وضاحت یہ ہے کہ اُس خراب آباد کے حاکم نے کہ جسکو فرانسس ہاکنس کہتے ہیں، فیروز پور کے جاگیر دار کے ساتھ رشتہ محبت و الفت باندھ کر یہ چاہا کہ مجھے مروا ڈالیں۔ (لہٰذا) اپنی مرضی کے مطابق ایک رپورٹ مرکزی دفتر بھجوا دی۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ اختیار بالا ایک انصاف پسند فرشتہ خصلت حاکم کے پاس ہے جو انصاف پہ کمربستہ ہوگا اور رپورٹ کی اصلاح کرے گا۔ (لیکن) اتفاق یہ ہوا کہ رپورٹ کے پہنچنے کے پانچ دن بعد میرے مرکز امید کو موت نے آلیا اور انکی جہاں بین آنکھ بند ہوگئی۔ اب یہ نہیں معلوم کہ رپورٹ پر کیا کاروائی ہوئی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ رخصت ہونے کے دن میں اپنی معروضات کی فہرست پیش کر کے روانہ ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ (میری معروضات) رپورٹ کو سامنے رکھ کر ملاحظہ کی جائیں۔ (لیکن) وہ بھی مکان

عدم کے تہ خانے میں بیٹھی رہ گئیں۔کیا جانوں کہ میرے بُرے نصیب نے وہاں میرے ساتھ کیا کیا۔اس جگہ اسسٹنٹ ریزیڈنٹ صاحب نے مجھے بلایا اور کہا کہ مسٹر فرانسس ہاکنس صاحب بہادر فرماتے ہیں کہ ہماری یہ تجویز ہے اور ہم نے یہی حکم دیا ہے کہ نصراللہ خان کے متعلقین فیروز پور کے جاگیردار کی پیش کی ہوئی سند کے مطابق پانچ ہزار روپے سالانہ جس طرح ماضی میں حاصل کرتے رہے ہیں آیندہ (بھی) پاتے رہیں گے۔میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور انتہائے حیرت میں پاگل ہوگیا کہ یہ بندۂ خدا کیا کہتا ہے۔اس پانچ ہزار کی بابت تو میں نے خود کونسل کو جتلایا تھا اور اس (رقم کی) مقدار پر اپنی ناراضی کا اظہار کر کے ہی تو میں نئے فیصلے کا طلبگار ہوں۔سابقہ کونسل کی تجویز کا کیا ہوا اور مرکزی دفتر کے حکام کو کیا پیش آیا۔کرنل مالکم صاحب کی سند پر مندرجہ دس ہزار روپے کون لے اڑا؟ خدا کی قسم اس وقت شش جہت سے چارہ جوئی کے دروازے بند ہیں اور دنیا مجھے اپنی مخالف نظر آرہی ہے۔میں نے چاہا ہے کہ ایک عرضداشت نواب گورنر جنرل بہادر کے ذریعے سیمن فریزر بہادر کی خدمت میں ارسال کروں تاکہ اُس کا ترجمہ کونسل کی نظر سے گزرے اور صاحبان صدر کو میرے احوال کی خبر ہو اور اس کام میں مولوی صاحب اور آپ کی عنایت چاہیے کہ کام رواں ہوجائے۔چونکہ ڈرتا ہوں کہ اُس بزم میں بھی ایک ظالم میرے خون کا پیاسا ہے'امید کرتا ہوں کہ مولانا کی خدمت میں آپ خود بھی اپنی جانب سے عرض کردیں گے کہ اسداللہ رحم کا سزاوار ہے اور آپ کا غلام و خدمت گار ہے۔دشمن کے بالمقابل کوشش یہ کرنی چاہیے کہ اس کی عرضداشت انگریزی میں ترجمہ ہوکر کونسل میں پیش ہوجائے۔بلکہ اس کا کچھ ابتدائی حال صاحب

سکرٹری کے بھی گوش گزار کردینا چاہیے تاکہ ایک ناکام کا خیال کریں اور ایک واماندہ کو پہچانیں۔فقط۔

خط (۱۴)

قبلہ من!

جب میں نے سنا کہ آپ کلکتہ پہونچ گئے ہیں تو خدا کا شکر ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کا سپاس ادا کیا۔ میں اپنی صفائے ارادت پر ناز کرتا ہوں کہ جناب کے محبت نامہ کے نہ آنے کو بیگانگی اور فراموشی پر محمول نہیں کیا ہے اور آپ کو معاف رکھا ہے۔کونسل کی عدالت میں میری عرضداشت کے پیش ہونے اور جاگیردار فیروزپور کی پیش کردہ اصل سند کی طلبی یا دوسرے (متعلقہ) حالات کا آپ کو علم ہوا ہوگا بلکہ اس سند کے پہنچنے اور اس خط کے ورود سے پہلے منصفین کی تجاویز کا اندازہ بھی آپ کے ملازمان اعلیٰ کے لیے نظر افروز ہوا ہوگا۔یہ معلوم کر کے کہ نواب گورنر بہادر گیارھویں اکتوبر کو ہندوستان روانہ ہو گئے ہیں اور پرنسپ صاحب نے محکمہ سکرٹری میں فتحمندی کے ساتھ قدم رکھا ہے' ایسی حیرت میں ڈال دیا ہے کہ جس کی گتھی سرکاری اہلکاروں کی توجہ کے ناخن کے کھولنے کے لائق ہے۔پہلی بات تو یہ کہ مستقل یہ خبریں آتی رہیں اور عوام میں پھیل گئیں کہ فارسی اور انگریزی کے دفتروں میں الحاق ہو گیا ہے اور ان دونوں دفاتر کی افسری کے لیے مسٹر سوئنٹن بہادر کا فیصلہ ہوا ہے۔اس صورت حال میں جناب سیمن فریزر بہادر کو کیا پیش آیا اور ان کی ذات بابرکات اب کس دربار میں رونق افروز ہوئی۔دوسرے یہ کہ صاحبان والاشان میں سے ایک نے جتایا کہ کرنل املاک

اس جہان سے کوچ کر گئے۔ مرزا ابوالقاسم خان اور آغا محمد حسین کے حال پر افسوس اور اس سے بڑھ کر اپنی زندگی پر افسوس کہ فلاں بیگ کلکتے میں آگ بھڑکانے میں مصروف اور میں اس شہر بے شہریار میں پتھروں سے سر پھوڑ رہا ہوں اور ناکامی میں جان دے رہا ہوں۔ کوئی میری آہ و بکا نہیں سنتا۔ کیا کہوں اپنے نصیب سے کسقدر شاکی ہوں اور ہجوم غم نے مجھے کیسا بدحال کر دیا ہے۔ ایک مخلوق میرے آزار کے درپے ہے اور ایک دنیا میرے خون کی پیاسی ہے۔ اگر آپ کانپور پہنچ گئے ہیں اور اپنے دولت خانے میں آسودہ ہیں تو خدا کے واسطے کلکتے کا حال مفصل لکھیے۔

والسلام۔

خط (۱۴)

قبلۂ منٔ

آپ کے نامۂ دل فزا کے ورود نے روح کو تازگی سے نوازا اور دل کو نورِ علم سے منور کر دیا۔ مجھے آگہی ہوئی کہ میں بے کس نہیں ہوں۔ میرا بھی کوئی ہے۔ خدا آپ کو سلامت رکھے اور آپ ہمیشہ زندہ رہیں۔ آپ کی اپنی ذات اور کارخانوں کی بے رونقی کے باعث دل کو یک گونہ ملال ہوا۔ خدائے بخشندہ آپ کو کہ (اپنے) عہد کے نیکوں میں سے ہیں بلند مراتب پر پہونچائے اور جس قسم کا انقلاب بھی رونما کیوں نہ ہو، تازہ ترقی پر فائز گردانے۔ امید کرتا ہوں کہ جناب عالی دنیا کے خوش اور ناخوش کو اس کا اعتبار دیکر اپنا چہرہ خلق خدا کی طرف اور دل اللہ کی جانب رکھیں

گے۔ خدا کی قسم کہ جب کبھی آپ کی کثرتِ اخراجات اور حالاتِ زمانہ پر نظر پڑتی ہے تو دل آپ کے لیے جلتا ہے۔ خاص طور پر جس وقت میں اس سفر کے مصائب و شدائد کا، جو آپ نے کیا ہے، جائزہ لیتا ہوں۔ لیکن خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ خیریت کے ساتھ اپنے دولت خانے پہنچ گئے اور راستے کی صعوبت تمام ہوئی۔ دوسرے گرامی نامہ کے لکھے ہوئے حالات پورے طور پر معلوم ہوئے۔ اپنے بارے میں میرا یہ خیال ہے کہ میں محروم نہ رہوں گا اور میری دادرسی ہوگی چونکہ میں صرف حقیقی حق کے ظہور کا طلب گار ہوں اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ کتنی بھی تحقیقات کیوں نہ ہو مطلب کے مطابق اور میری آرزو کے حق میں ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے شروع ہی میں سرکار کے دفتر کو گواہ بنایا ہے اور مرکزی دفتر کے حکام نے جناب مالکم صاحب بہادر کے خط کو محکمہ ریزیڈنٹی دہلی میں بھیج دیا ہے اور میری پرورش کے اخراجات کی مقدار اُس تحریر کے مطابق متعین کی ہے۔ بہر طور معلوم ہونا چاہیے کہ چونکہ مرکزی دفتر کے حکام نے مدعیٰ علیہ کی ارسال کردہ سند کو مالکم صاحب کے پاس بھیج دیا ہے، مذکورہ چٹھی کو بھی اس سند کے ساتھ ہی بھیج دیا ہوگا۔ یہ صورتِ احوال میرے لیے خوش خبری ہے کہ میرا داغ مرہم تک اور میرا مرض دوا تک پہنچ گیا۔ یہاں مشہور ہے کہ مالکم صاحب بہادر ولایت چلے گئے ہیں۔ شاید ابھی روانہ نہ ہوئے ہوں جو کچھ مرزا احمد بیگ صاحب قبلہ و کعبہ کی جانب سے تحریر تھا گوشِ ہوش کا آویزہ بن گیا۔ جناب عالی میرا حال نہ پوچھنا اور مرزا صاحب کے دعوے کے مطابق حکم صادر کر دینا مقدمہ کا یک طرفہ فیصلہ ہے اور یہ محبت کے قانون کے خلاف ہے۔ پہلے تو میں یہ عرض کروں کہ میں مرزا صاحب کو کس قدر

چاہتا اور ان کا کیا مرتبہ سمجھتا ہوں۔ اور اس کے بعد اپنی شکستہ دلی کے سبب کی وضاحت کروں گا۔ میرا خدا بہتر جانتا ہے اور مجھے اس کے عظمت و جلال کی قسم ہے کہ میں احمد بیگ خان کو بغیر کسی لگی لپٹی کے نصر اللہ بیگ خان کی طرح اپنے بزرگوں میں سے شمار کرتا ہوں اور میرزا کے سامنے اپنے اور حامد علی کے درمیان فرق نہیں کرتا۔ اور کبھی بھی کوئی ایسی بات کہ وسوسے کا باعث ہو احمد بخش خان کی طرف سے میرے گمان کے قریب بھی ہو کر نہیں گزری۔ میں نے اسقدر سمجھ لیا ہے کہ جب میں کلکتے میں نہیں ہوں تو فلاں بیگ نے میری غیبت میں تنہائی میں اور سرِ بزم اپنے مطلب کے موافق باتیں کی ہوں گی۔ اور اپنی بہن کے چودو یعنی حاجی فلاں کو احباب کے بیچ اونچی قیمت پر فروخت کیا ہوگا۔ اور اس کو لوگوں کی نظر میں باوقعت بنا کر سراہا ہوگا۔ اور مرزا صاحب نے اس کی بے سروپا کہانیوں پر یقین کر کے اور کچھ نہیں تو اسقدر ضرور سوچ لیا ہے کہ خواجہ حاجی فلاں کا استحقاق بنتا ہے اور اسد اللہ ظلم کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ تلبیسِ حق کرے اور حقوق کے تلف کرنے میں کوشاں ہو۔ حالانکہ واللہ باللہ ثم تاللہ۔ ایسی بات نہیں ہے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے' کہ میں نے حاجی فلاں اور فلاں بیگ کا مکمل حال نہیں بتایا ہے۔ اور مصلحت نے مجھے ان کہانیوں کے سنانے سے روکے رکھا ہے ورنہ حاجی فلاں نے تو نصر اللہ بیگ خان کے خاندان کے ساتھ وہ (سلوک) کیا ہے جو یزید نے آلِ رسول سے۔ (یہ بات) صرف میں تنہا نہیں کہہ رہا بلکہ دنیا اس دعوے کی گواہ ہے۔ دہلی سے اکبر آباد تک ایک لاکھ آدمی اس دور میں (ایسے) ہیں کہ جو کچھ کہ میں کہہ رہا ہوں' اس سے واقف ہیں۔ قصہ مختصر ان وساوس کے باوجود کہ جو مجھے فلاں

بیگ کی طرف سے تھے' میرا دل مرزا بیگ سے کھٹا نہیں ہوا تھا۔ لیکن جب فلاں بیگ نے اپنے خواہرزادوں کی طرف سے اپنے حق میں سفارش(۱) لکھوائی اور کونسل میں فساد کی گرد اٹھائی اور مجھے یہ ساری باتیں باہر سے معلوم ہوئیں تو میں نے کہا کہ بھلا اس کا کیا امکان ہے کہ مرزا صاحب ان تمام امور سے واقف نہ ہوں اور یہ علم ہوتے ہوئے انہوں نے مجھے کیوں نہ آگاہ کیا' سخت مایوس ہوا اور میں نے کہا :

دل بر جفا نہم کہ بجز صبر چارہ نیست
اکنوں کہ دوست جانب دشمن گرفتہ است

(ترجمہ) میں جفا پر راضی ہوتا ہوں کہ بغیر صبر کے چارہ نہیں ہے
ان حالات میں کہ دوست (ہی) دشمن کا طرف دار بن گیا ہے

اللہ کا شکر ہے کہ میں قول کا سچا ہوں اور میرے دل اور زبان میں ہر بات میں یگانگت رہی ہے۔ میں نے اپنی محبت اور اُس محبت کے درجے کو کہ میرزا صاحب سے مجھے رہی ہے' ٹھیک بیان کیا ہے اور وہ شکوہ بھی کہ جو میرے دل میں ان کی طرف سے تھا معہ اپنے گمان کے بے کم وکاست بیان کر دیا ہے۔ اب اگر طریق مہر ووفا کے مطابق میں خطا کار اور مجرم ٹھہرتا ہوں تو مجھے سزا ملنی چاہیے اور اگر میں رحم کا سزاوار ہوں تو مجھے میری تقصیر کی معافی کی نوید (ملنی چاہیے)۔ میرا پورا حال مرزا صاحب کی خدمت میں بیان کر کے کہا جا سکتا ہے کہ خدا کی قسم میں آپ کو اپنا سگا چچا اور بزرگ معنوی سمجھتا ہوں اور مجھے خط کے دیر سے پہنچنے کی شکایت نہیں ہے بلکہ میں اس خیال سے پریشان

۱۔ متن میں "رشوتے" لکھا ہے۔ جو سیاق وسباق کے مطابق نہیں معلوم ہوتا۔ بہر صورت مفہوم 'سفارش' کا ہی نکلتا ہے۔

اور اس گمان میں گرفتار ہوں۔ اور قسم بخدا کہ جب بھی کہ وہ شکایت کے وجود پر نظر ڈالیں گے تو میری یگانگت' راستبازی' صاف دلی اور پاک باطنی پیشتر(۱) سے بیشتر ظاہر ہوگی۔ زیادہ نیاز۔

خط (۱۵)

میرا سراپا آپ کے سراپے پر قربان ہو جائے'

بہت دنوں سے آپ کے دلنواز خطوط نہیں پہنچ رہے ہیں اور مجھے شکستہ خاطر کر رکھا ہے۔ بالآخر نواب مبارک اوصاف اس جگہ آ پہنچے اور مجھے دوسرے حاکموں کے شکنجے سے چھڑا دیا۔ اس احوال کی تفصیل احمد بیگ خان کے نام کے خط میں کہ اس میں بھی ضمنی طور پر روئے سخن آپ کی طرف ہے' تحریر کر دی گئی۔ غالباً آپ کی رائے عالی سے آگاہ ہو گئے ہونگے۔ لیکن جو کچھ بھی لکھا گیا ہے بکواس ہے اور جو کچھ اب لکھا جا رہا ہے وہ راز ہے۔ جو تحریر کیا جا چکا ہے' وہ خبریں ہیں اور جو رقم کیا جا رہا ہے وہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش ہے۔ ظاہر ہے کہ پریشان حال غرض مند صرف خبروں سے مطمئن نہیں ہوتا بلکہ زیادہ سے زیادہ آگاہی حاصل کرنے میں الجھا رہتا ہے۔ نواب جہانیاں مآب کا التفات ارکانِ کونسل کی توجہ کی غمازی کرتا تھا۔ یقیناً اگر میرا استحقاق کونسل عالیہ پر ثابت نہ ہوتا تو کونسل کا رکنِ رکین میری طرف محبت سے نہ دیکھتا اور میرے حالِ زار کی طرف اتنی توجہ نہ کرتا۔ خدا کے واسطے اس ضمن میں کوشش کریں اور اندر کی بات معلوم کریں اور اس سے مجھے آگاہ کریں۔ آخر کاغذوں کی یہ

۱۔ دراصل یہ "بیشتر از پیشتر" ہے جو غلط العام ہو کر "پیشتر از بیشتر" ہو گیا ہے جو متن میں ہے۔

تیاری اور لشکر کوان کی ترسیل اُس دنیا کی باتیں تو نہیں کہ انسان سے پوشیدہ رہ سکیں۔ سننے میں آرہا ہے لشکر جے پور نہیں جائے گا اور سیدھا اجمیر چلا جائے گا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ لوگ کہتے ہیں گورنر بمبئی وہاں پہنچ رہا ہے اور آسمان جہانبانی کے یہ دونوں ستارے (ایک برج میں) جمع ہو کر تجویز شدہ نئے قوانین کو گہری نظر سے دیکھیں گے اور ایک دوسرے کے تعاون سے اُن کے اجرا کا بندوبست کریں گے۔

خط (۱۶)

خدا آپ کو سلامت رکھے اور طویل عمر دے

میرے محسن اگر عنایت کے بدلے میں میں آپ کی تعریف کردوں اور ہر مہربانی کے لائق اس کا شکریہ بھی ادا کر دیا جائے تو سلسلۂ سخن کہیں منقطع نہیں(۱) ہوتا اور دوسرے مطالب کے اظہار کی گنجائش نہیں رہتی۔ ناچار اس گفتگو کو میں نے کام و زبان سے دل و جان کے سپرد کر دیا ہے اور اپنے آپ کو آپ کی جگہ تصور کیا ہے۔ اے میری زندگی اور اے میری جان، اپنی زندگی اور آپ کی جان کی قسم کہ اس زار نالی اور قضیہ آرائی سے میرا مطلب سچی بات کا ظاہر کرنا ہے نہ کہ ملمع کاری کی باتوں کا جمع کرنا۔ انصاف بالائے طاعت۔ اپنی جیب سے کوئی سند نہیں نکالی ہے اور کوئی دستاویز بھی اپنی عرضداشت کے ساتھ پیش نہیں کی ہے۔ اب تو یہ ارادہ ہے کہ اگر حکام حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہیں تو فقیروں کی طرح ان کے دروازے پر پہنچ کر اپنا درد دل ایسے

۱۔ متن میں "منقطع نہ نشود" ہے ظاہر ہے اس میں "نہ" زائد ہے۔

لحن میں ادا کروں کہ ہوا میں اڑتے پرند اور پانی کی مچھلیاں بھی میرے حال (زار) پر رونے لگیں۔ اِدھر اُدھر کی خبروں سے تفنن طبع کے لیے ایک نمونہ پیش کرتا ہوں۔ نواب اعلیٰ القاب میرے مقدمے کے کاغذات محکمہ ریزیڈنٹی سے اپنے ساتھ لے گئے اور اب انہوں نے محکمے سے وہ کاغذات (بھی) کہ جو محکمے میں موجود تھے وہاں سے طلب کیے ہیں۔ فرماتے تھے کہ کلکتے سے کاغذات کے پہنچنے کے بعد مسل کو ترتیب دے کر اور مناسب حکم کا اجرا کر کے اس حکم کی نقل دفتر خاص سے دادخواہ کو ارسال کر دی جائے گی اور ان تمام منازل کا انکشاف دسویں دسمبر کو ہوا ہے (لیکن) آج تک کہ مارچ کی پندرھویں ہوگئی ہے اس ضمن میں کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا ہے کہ جس کی اطلاع دی جا سکے۔ اور نہ ہی کیمپ دفتر سے کوئی خبر آئی ہے کہ بتائی جا سکے۔ وہ احباب کہ جو کیمپ دفتر میں ہیں اتنا بھی نہ کر سکے کہ کاغذات کے پہنچنے اور مسل کے مرتب ہونے کی اطلاع ہی دے دیتے' (عرضداشت) قبول ہو جانے اور توقعات کی خوش خبری تو پھر دور کی بات ہے۔ اس سرزمین کی پراگندہ خبروں میں یہ کہ بارلس بہادر سپہ سالار دہلی پہنچ گئے اور انہوں نے کشمیری دروازے کے باہر ایک میدان میں کہ نواب گورنر بہادر کی خیمہ گاہ تھا' پڑاؤ ڈالا اور مارچ کی دسویں کو ہفتے کے دن یہ تین صاحبان شاہ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بارلس بہادر سپہ سالار مذکور' مایم مارٹن بہادر رسیڈنٹ دہلی اور ولیم فریزر کمشنر دہلی۔ ان سب میں سے سپہ سالار کو عطائے خلعت' ماہی مراتب اور نوبت جیسے سپہ سالاری کے لوازمات سے سرافراز کیا گیا۔ اور محتشم الدولہ سیف الملوک خان عالم خان بہادر سپہ سالار سر ایڈورڈ بارلس بہادر شجاعت جنگ خطاب پایا۔ اور دوسرے دن اتوار کے روز میرٹھ روانہ ہو گئے۔ دوسرے ولیم

مایم مارٹن بہادر کو خلعت شش پارچہ اور عطر و پان بطریق رخصت عنایت ہوا اور وہ رخصت ہوا۔ کل اتوار کے دن شام کے وقت ڈاک (تیز رو) پالکی میں اندور چل دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اندور کی ایجنسی پر تعینات ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ولیم فریزر بہادر کمشنر دہلی کو خلعت عطا ہوئی اور مدبر الدولہ انتظام الملک صفوت یار خان ولیم فریزر بہادر صلابت جنگ کے خطاب سے نوازا گیا۔ کہتے ہیں کہ دہلی کی ریزیڈنٹی کمشنر دہلی کو دیدی گئی۔ اب یہ دونوں فرائض ایک ہی صاحب والاشان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ریزیڈنٹی کا عملہ بدستور ہے۔ تادم تحریر کسی قسم کی چھانٹی یا تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ یہ مشہور ہے کہ اب راجگان کا تعلق اس شخص سے ہوگا کہ جو اجمیر میں (مقیم) ہے اور وہ بھی اس طریقے سے کہ سننے والے اس معاملے میں لاچار ہو گئے ہیں یعنی مہاراجہ صرف اجمیر کا ہوا کرے گا اور باقی ماندہ راجگان میں سے کچھ دہلی سے وابستہ ہوں گے۔ اور ان میں ایک جماعت ایسی ہے کہ جن کے احوال سے لوگ پریشان ہیں (سوان کو) نہ ہی دہلی سے متعلق سمجھتے ہیں اور نہ اجمیر کی جانب ہانکتے ہیں۔ دوسری خبر یہ ہے کہ نواب عالی جناب چودہ مارچ کو متھرا پہنچے ہیں اور آج پندرہ مارچ تک اس ہی جگہ آرام پذیر ہیں۔ اور کل کہ سولہ مارچ ہے کوچ کریں گے اور منزل بہ منزل سفر کرتے چوبیس مارچ کو دہلی پہونچیں گے۔ نمعلوم اس واپسی کا کیا مقصد ہے۔ کہتے ہیں کہ اس مرحلے پر شاہ دہلی سے ملیں گے۔ اور دونوں طرف کی گردِ ملال بیٹھ جائے گی۔ دوسرے کہتے ہیں کہ نواب عالی جناب دو تین دن دہلی میں قیام کر کے ملک کی بے انتظامی کا ازالہ کریں گے اور نئی بنیادیں رکھیں گے، مناسب احکامات جاری کریں گے اور راجستھان کے لیے کوئی نیا طریق انتظام اختیار کیا جائے گا۔ اور جنرل لارڈ لیک بہادر کے عہد کے

جاگیرداروں کو محاسبہ کے شکنجے میں کھینچا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس عرصے میں میرا حق(۱) خوابیدہ بھی تسلیم کرلیا جائے اور میری انصاف طلبی صحیح ڈگر پر آ جائے۔

خط (۱۷)

یہ نیم جان کہ مجھ میں ہے آپ کے سراپا پر قربان ہو جائے'

میں نے یکے بعد دیگرے دو خط آپ کو بھیجے ہیں۔ پہلے خط میں تو ایک تدبیر بتائی ہے اور دوسرے میں اس ہی تدبیر کی بنیاد فراہم کی ہے۔ جب کام میں نے آپ کے حوالے کر دیا اور اس کی چارہ جوئی میں آپ مجھ سے زیادہ طاقتور اور کاربرآری میں مجھ سے زیادہ عقلمند ہیں تو میں کیوں بکواس اور ہرزہ گوئی کرتا رہوں۔ جو رائے میں نے دی ہے اور جو دھاگا میں نے بٹا ہے' خدا کرے کہ آپ کی عقل روشن' اور فکر رسا اس کو سعادت کے ساتھ قبول کرلے۔ جنابِ من' آج جمعہ اپریل کی تیرھویں تاریخ ہے۔ خط لکھنے' کاغذ اور روشنائی استعمال کرنے اور انشا آرائی کی اتنی مہلت ملی ہے کہ دل کی بات کاغذ پر تحریر کر کے نوکِ قلم کو تھکا رہا ہوں اور روئے صفحہ سیاہ کر رہا ہوں۔ واضح ہو کہ نواب اعلیٰ القاب بتاریخ ۲۶ مارچ اس شہر میں پہنچ کر اندرون شہر ریزیڈنٹی کی کوٹھی میں اترے ہیں۔ اور دو روز بعد لشکر اور لشکر کے بازار کو اٹھ جانے کی اجازت دیکر لوگوں کو چھٹی پر روانہ کر دیا ہے۔ مولوی محسن صاحب راقم کے غمکدہ میں دو دن اور رات گزار کے اور اپنی پسند کے مطابق ریزیڈنٹی کی کوٹھی کے نزدیک اپنی پسند کا ایک

۱۔ متن میں ''خونِ خوابیدہ' من بیدار گردد'' ہے۔ بہارِ عجم کے مطابق خونِ خفتہ کے معنی ہیں وہ 'خون بہا' جو فراموش کر دیا گیا ہو۔ غالب نے بھی اپنے حق کو ایسے خوں بہا سے تعبیر کیا ہے۔

مکان کرایے پر لیکر چلے گئے ہیں۔ میرا احوال یہ ہے کہ اب اہل دفتر سے معلوم ہوا یعنی یہ کہ پرنسپ صاحب نے غالبؔ سرگشتہ کے مقدمے کے کاغذات مرکزی دفتر کے حکم کے مطابق جمع کر کے مسل مرتب کر لی ہے۔ لیکن وہ سارے کاغذات تا حال طاق نسیاں پر گلدستے کی صورت ہیں۔

خط (۱۸)

میری ضرورتوں کے قبلہ اور میری تمناؤں کے مرکز خدا آپ کو سلامت رکھے'

آپ کا گرامی نامہ پہنچا اور مرزا احمد کی دائمی جدائی کی خبر پہنچائی۔ سبحان اللہ میں کسقدر سخت دل اور سخت جان ہوں کہ مرزا احمد کی تعزیت کا خط لکھ رہا ہوں اور میرے وجود کے اجزا بکھر نہیں رہے۔ کہتے تھے کہ دہلی آؤں گا۔ وعدہ فراموش بے مروّت نے راستہ ہی بدل دیا اور ناقہ کو دوسری منزل کی طرف ہانک دیا۔ مانا کہ دوستوں کی دل دہی عزیز نہ تھی بھلا اپنے خورد سالوں کی طرف توجہ کیوں نہ کی اور ان کے سر سے اپنا سایہ کیوں اٹھا لیا۔ ہائے اس کے دوستوں کی بے یاری اور افسوس اس کے بچوں کے بے پدری۔ ہر چند مرگ پر واویلا نہیں کیا جا سکتا اور جامۂ زندگی کے تار و پود کے بکھرنے کا کوئی علاج نہیں لیکن انصاف بالائے طاعت' ابھی احمد بیگ مرحوم کے مرنے کا وقت نہیں تھا۔ (بھلا) اتنا صبر کیوں نہ کیا کہ میں کلکتہ پہنچ کر اس کا چہرہ دوبارہ دیکھ لیتا۔ اتنا تامّل کیوں نہ کیا کہ حامد علی جوان ہو جاتا اور کام اس کی عقل کے مطابق چل نکلتا۔ ہائے یہ کیا بکواس کر رہا ہوں اور یہ کیا قصّہ ہے کہ سنا رہا ہوں اور (قرآن) "جب ان کی اجل آتی ہے تو نہ ایک گھڑی آگے ہوتی ہے اور نہ ایک گھڑی

پیچھے"۔ مجھے اپنی اور اپنے ایمان کی قسم کہ مرحوم کے کاروبار کی یہ ساری خرابی باوجود اس بُعدِ مسافت کے میری نظر میں ہے۔ اور یہ (بھی) دیکھ رہا ہوں کہ حامد علی خان کم عمر ہے اور ہوسکتا ہے کہ عقلمند باپ کی مالی حیثیت کے علم سے اور ادھر ادھر بکھری ہوئی رقوم کے جمع کرنے کی استعداد نہ رکھتا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب وہ سرمایہ جمع کرلے تو اپنے زیر دستوں پر ظلم کرے اور اپنے بھائیوں کو بیکار اور ناکارہ چھوڑ دے۔ ان حالات میں لازمی ایک ایسا عقلمند اور حق شناس امین چاہیے کہ جو مسئلہ کا حل تلاش کرسکے اور جوان بے باپ کے بچوں کی غم خواری اپنا فرض سمجھے اور انصاف و امانت داری کے طریقے سے اس وادی میں گامزن ہو۔ اور دوستوں میں سے کوئی شخص ان تمام خصائص کا ضامن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ خود میرزا مرحوم کے اعزا اور اقربا میں سے نہ ہو۔ میرا خیال ہے کہ منشی امیر صاحب اس ضمانت و کفایت کے لائق ہیں چونکہ حامد علی خان کی والدہ سے ان کا نسبی رشتہ ہے۔ چنانچہ آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ میرزا مرحوم عقلمند اور کام سمجھنے والے آدمی تھے۔ قوی امکان ہے کہ کسی قابل اعتماد شخص کو وصی بنا کر سارے امور کسی امین کی ضمانت کے سپرد کردیے ہوں۔ خدا کے واسطے ان لوگوں کی بیچارگی پر نظر رکھیے اور ان سے غفلت نہ برتی جائے۔ خدا کی قسم کہ احمد بیگ خان کے پس ماندگان کی غمخواری عینِ فرض اور فرضِ عین ہے آپ پر بھی اور مرزا ابوالقاسم خان پر بھی۔ اللہ تعالیٰ حامد علی خان کی والدہ کو شفا عطا فرمائے اور بے باپ کے بیٹوں پر سلامت رکھے۔ حکیم قاسم خان اور مرزا احمد بیگ خان کی بہنوں کو چارو ناچار اطلاع دیدی گئی۔ (انہوں نے) بیماری کی حالت میں کونسی عیادت کی رسم ادا کی تھی کہ اب تعزیت کا حق ادا کریں گے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ دہلی کے لوگوں کی فطرت

میں حیاو شرم نہیں ہے۔ اُس خط کا جس کے ذریعے میرزا کی طبیعت کی خرابی کی اطلاع دی تھی جواب لکھ دیا ہے اور حکیم صادق علی خان کے پاس خود جا کر میں نے آپ کے نام کا خط ان کے حوالے کیا ہے اور تاکید کردی ہے کہ جب آپ میرزا کو خط بھیجیں تو یہ خط بھی اُس ہی میں رکھ دیں۔ چند دن کے بعد پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حکیم صاحب نے میرزا کی بہن کو ان کی بیماری کا حال بھی نہیں بتایا ہے پرسش حال اور عیادت تو دور کی بات ہے اور چونکہ خود کوئی خط میرزا کو نہیں بھیجا ہے تو بھلا وہ خط کہ آپ کے نام نامی کا تھا اس کو کون پوچھتا ہے۔ خون میں تڑپتے ہوئے اور اس خیال کے ڈر سے کہ آپ اس روسیاہ کو کوتاہ قلم اور بے پرواخیال کریں گے' لرزتے ہوئے چاہتا تھا کہ ایک اور ورق بھی اپنے چہرے کی طرح سیاہ کروں اور آپ کو علیحدہ بھیجوں کہ اتفاق سے گیارہ شوال جمعرات کے دن صبح کے وقت سو کر اٹھا اور ہاتھ منہ بھی ابھی نہیں دھویا تھا کہ ڈاکیہ آیا اور اس نے مجھے آپ کا خط دیا۔ اس خط کے آنے کی ہیبت سے میرا دل خود بخود دکھنے لگا گویا میرے دل میں کسی نے یہ بات ڈال دی ہو کہ میرزا احمد کا انتقال ہو گیا۔ ڈرتے ڈرتے میں نے خط کھولا اور وہی نظر آیا جو میں سمجھ گیا تھا۔ اللہ بس باقی ہوس۔ مرزا ابوالقاسم کی خدمت عالی میں سلام کہ جو ایک غم زدہ دوسرے غم زدہ کو اور پیام کہ جو ایک ماتم زدہ دوسرے ماتم زدہ کو بھیجتا ہے' پہنچائیں۔ اور کریم خان صاحب کو سلام عرض کریں اور میری جانب سے سلام کے بعد بہت سی پرسش احوال کریں ۔دل کے سوز و گداز کے اظہار کے بعد کہ وہ بھی بے صبری کی نشانی اور انسانی ضرورت ہے' اب دنیاداری کی بات کی جاتی ہے اور موت کے غم کی تفصیل کے بعد غم زندگی کی حکایت بیان کی جاتی ہے۔ سبحان اللہ زندگی گریز پا' موت گھات میں' فرصت نایاب'

حیات مختصر اور دل ہوس سے پُر اور دماغ حرص سے ماموراور ہم موت سے غافل۔

اللہ۔اللہ۔پندرہ مارچ جمعرات کے دن لکھا گیا۔

خط(۱۹)

میری جان آپ پر قربان!

میں آپ سے (۱) یہ چاہتا ہوں کہ آپ حامد علی خان اور مرزا احمد بیگ کے دوسرے بیٹوں کا حال لکھیں۔حامد علی خان نے مجھے خط لکھا ہے جس میں سوائے نالہ وفریاد کے (اور کچھ نہیں) ۔نہ اپنا اور نہ اپنی والدہ کا کچھ حال لکھا ہے۔اور عجیب بات یہ ہے کہ مجھے خان صاحب مخدوم اور مظہر اشتیاق سے خطاب کیا ہے اور وہی القاب کہ مرزا (مرحوم) لکھتے تھے تحریر کیا ہے۔افسوس۔افسوس۔ع۔عرفی چہ نشستہ؟ کہ یاراں رفتند۔

(ترجمہ) عرفی تو کیسا بیٹھا ہوا ہے جب کہ (تیرے) دوست جا چکے ہیں۔تیری جان کی قسم کہ میرا دل دنیا سے بھر چکا ہے اور اب (۲) سیر وسیاحت کی طرف مائل ہے۔اس تاک میں ہوں کہ یہ مقدمہ بازی ختم ہو تو یکدم اس قید سے نکل بھاگوں اور بے سروپا دنیا میں گھومتا پھروں اور جب تک زندہ ہوں خدا کی صنعت کی نشانیوں کا تماشائی رہوں۔

۱۔"از شما آں می خواہم" بظاہر اردو محاورے "آپ سے یہ چاہتا ہوں" کا ترجمہ ہے۔

۲۔متن میں "دلم بر فقیر وسیاحت گرم گشتہ است" جبکہ درست "دلم بر سیر وسیاحت گرم گشتہ است" درست معلوم ہوتا ہے۔ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

ہر لحظہ دل بہ سوئے بیاباں کشد مرا

آب وہوائے شہر بمن سازگار نیست

(ترجمہ) ہر لمحے دل مجھے بیاباں کی جانب کھینچتا ہے شہر کی آب وہوا مجھے راس نہیں آتی۔

خط (۲۰)

اے میری پناہ اے میرے مخدوم

مئی کی سولھویں تاریخ تھی اور شمعیں اور چراغ جلانے کا وقت تھا کہ چپراسی آیا اور مجھے اجنٹ بہادر کا خط دیا۔ میں نے نقد ونظر کے ترازو پر جانچا تو اس کو شاہنامے سے بھی زیادہ قیمتی پایا۔ اب جو لفافہ کھولا تو دیکھا کہ اس میں جناب ولیم بہادر صاحب کا خط بھی ملفوف ہے۔ اجنٹ صاحب کے خط کا مضمون یہ کہ سکرتر صاحب کا خط بھی اس کے ساتھ پہنچ رہا ہے جو مقدمے کے فیصلے کی کیفیت کی وضاحت کرے گا۔ سکرتر صاحب کے خط کا مضمون یہ کہ ہاکنس صاحب کی تجویز منظور اور فیروز پور کے جاگیردار کے پیش کردہ کاغذ کی مہر اور دستخط ناقص و نامکمل اللہ بھلا کرے کہنے والے کا۔ ع- در خاندان کسرئ ایں عدل وداد باشد- (ترجمہ) کسرئ کے خاندان میں عدل وانصاف ایسا ہوتا ہے۔

جس رات یہ اعلیٰ خط مجھے ملا اس کی صبح کو اس خبر نے سمع خراشی کی کہ مولوی ظاہر علی سراغرسانی کے جرم میں ماخوذ ہو کر تا بہ اعلان سزا قید ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس بات نے وہ رنگ پکڑا کہ اخبار زنگار رنگ ہو گیا- حسد شعار

اہالیان دہلی چونکہ مجھے مولوی کا سچا دوست سمجھتے تھے (سوانہوں نے) ایسے رنگ کی آمیزش کی کہ ہر روز دو تین بار کوئی ہرزہ گو میرے پاس آتا ہے اور جو چاہتا ہے اپنی طرف سے گھڑتا اور بیان کرتا ہے۔ دو ہفتے بعد معلوم ہوا کہ لارڈ صاحب نے ناخوش ہو کر اپنے عملے سے جدا کر دیا اور معزول کر کے ان کو ان کے وطن واپس چلے جانے کی اجازت دیدی۔ اپنے غم سے تو دل جلا ہوا تھا (ہی) دوست کی تکلیف پر اور بھی کباب ہو گیا۔ والسلام۔ منشی نصر اللہ کو بعد سلام کے کہیں کہ انشا اللہ "اذا جانصر اللہ والفتح" آپ کی انگوٹھی کے نگین کا نقش بنے گا۔

خط (۲۱)

قبلۂ بندہ؛

عمریں گزر چکی ہیں کہ آپ کے نامۂ جانفزا سے جان تازہ نہیں ملی۔ نہ معلوم اُس نگاہِ حق شناس میں کس جرم پر مردود ٹھہرا ہوں۔ مہربانی و ناراضی تو محبت کے آئینہ دار ہوتے ہیں اور اہلِ وفا کے کیش میں ایک دوسرے کے ساتھ اور بھی خوش گوار۔ لیکن آپ کے خادموں کو اپنی نسبت سے جو چیز نظر آئی ہے وہ تغافل ہے۔ اور تغافل کو برداشت نہیں کیا جا سکتا بجز اس صورت کے کہ دل پہاڑ جیسا ہو۔ لیکن قسام ازل سے مجھے یہ عطیہ نہیں ملا ہے۔ آپ کو علم نہیں کہ ان دنوں مجھ پر کیا بیتی اور میرے خشک کانٹے کس بھڑکتے شعلے کے مقابل ہو گئے۔ اگرچہ آپ سماعت سے فارغ ہیں لیکن میں نے گفتگو سے آپ کو نجات نہیں دی۔ سنیں یا نہ سنیں میں تو اپنی کہے جاؤں گا۔ دیدار طلب آنکھ دیکھنے کی ہوس میں اُبل رہی ہے اور دلِ بے تاب ہجرت کے

اضطراب میں تڑپ رہا ہے شوق دیدار کو کیا کہوں؟ آنکھ کی پتلی قلم کے پاؤں پڑتی ہے کہ مجھے حرف کا ایک نقطہ بنا کر خط میں لکھ دے۔ جس دن سے وہ مہرباں اس عمدہ جگہ رونق افزا ہوا ہے خط و کتابت سے محروم بدنصیبوں کو مفارقت کے دوزخ میں چھوڑ دیا ہے۔ آپ کے احسانات عالی کا کیا ذکر کروں کہ ہر روز میرے تصور کی محفل میں آپ تشریف لائے اور اپنی خجالت کا کیا ذکر کروں کہ میں کبھی آپ کے خیال گرامی کی محفل سے نعمت اندوز نہ ہوا۔

شرمندۂ احسان توام کز سر الطاف
ہر روز قدم رنجہ نمائی بہ خیالم
من عذر ز تقصیر خود اے خواجہ چہ گویم
گاہے بہ خیالت نرسم وائے بحالم

(ترجمہ) میں تیرے احسان سے شرمندہ ہوں کہ (تو) مہربانی کر کے ہر روز میرے خیال میں آنے کی زحمت کرتا ہے۔ اے میرے آقا میں اپنی کوتاہی کا کیا عذر پیش کروں (کہ) تیرے خیال تک میری رسائی کبھی نہیں ہوتی۔ افسوس میرے حال پر۔ زیادہ شوق اور بس۔

خط (۱/۲۲)

بنام مرزا احمد بیگ خان

دکھے دلوں کو آہ و بکا سے منع نہیں کیا جا سکتا اور نہ ماتمیوں کو سینہ کوبی سے روکا جا سکتا ہے۔ مجھے کہ میرا دل تمہاری بے وفائی سے دکھا ہوا ہے سوائے نالہ و شیون کے

اور کوئی چارہ نہیں ہے اور چونکہ تغافل کے درد سے جان دیکر محبت کے ماتم میں مبتلا ہوں (تو) سینہ کوبی (ہی) کروں گا اگرچہ (یہ) پتھر نہیں ہے۔ دو ہفتے گزر جانے پر بھی جب کوئی خط نہ آپ کی طرف سے اور نہ سراج الدین احمد صاحب کی طرف سے ملا تو میں نے اپنے دانت اپنے جگر میں گاڑ دیے اور بے خود ہو گیا۔ آپ بھی وہی ہیں اور مولوی سراج الدین بھی اور یہ دردمند غمگین بھی وہی۔ چھ ماہ ہو گئے ہیں کہ کسی دوسرے کے خط کے حاشیے میں بھی کبھی سلام لکھ کر نہ بھیجا تو بھلا نامہ و پیام تو دور کی بات ہے۔ میرا خط نہ لکھنا اس وجہ(۱) سے نہیں کہ ترکِ محبت میں تمہارا پیرو بن گیا ہوں گا اور نہ اس وجہ سے کہ میں غم و اندوہ میں اسقدر بے حال ہو گیا ہوں گا کہ سانس لینے اور بات کرنے کی سکت بھی نہیں ہوگی۔ خدائے عادل کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس دبلاپے پر بھی میرے دل کو ایسی مضبوطی اور توانائی بخشی ہے کہ مثال کے طور پر اگر دونوں عالم تلپٹ ہو جائیں پھر بھی اپنی دُھن سے نہ ہٹوں۔ اور اس (ابتلا) کے باوجود وفاداری میں اسقدر ثابت قدم ہوں کہ سر چلا جائے لیکن میرے پاؤں کو راہ محبت سے لغزش نہ ہوگی۔ خدا کے واسطے ذرا یہ تو بتلایئے آپ کے دل میں کیا خیال آیا اور مولوی سراج الدین پر کیا گزری۔ شاید انہوں نے یہ سوچا تھا کہ اسداللہ کے مجھ سے تعلق کی وجہ یہ ہے کہ میں کونسل کے عمائدین میں سے ہوں یعنی جس دن سے صدر عدالت کی پیشگاہ پر رونق افروز ہوئے ہیں کبھی ایسا نہ ہوا کہ مجھے یاد کیا ہو یا خط سے

۱۔ متن میں "از جانب من شاز آں دوست" ہے جبکہ قیاس کے مطابق 'دوست' کی جگہ 'روست' ہونا چاہیے۔ ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

نواز ہو۔ ان سارے امور میں عجیب ترین بات تو یہ ہے کہ وہ کونسی بات تھی جس کے سبب آپ نے میری پرسش احوال سے منہ پھیر لیا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ فلاں بیگ حیات نہیں ہے ورنہ میں اپنا خون پیتا' آپ سے ناراض ہوتا اور آپ کو بھی اپنے سے افسردہ کرتا۔ لیکن یہ مقصد صرف آپ کے لیے ہوتا اور مولانا سراج الدین احمد کو اس قضیے سے دور رکھتا۔ شکر و شکایت کے مراتب سے قطع نظر انصاف کریں کہ مہینے کے مہینے گزر جائیں اور آپ اور آپ کے نورچشموں کی خیریت(۱) سے بے خبر رہوں۔ ناراض کیوں نہ ہوں اور شکایت کیوں نہ کروں۔ آج جام جہاں نما کے اوراق دیکھ کر ایسا نیا حال معلوم ہوا کہ اُس رسوائی پر صبر نہیں کیا جا سکتا۔ اغلباً آپ نے بھی اس اخبار میں دیکھا ہوگا۔ واللہ خدا کی قسم اور ایک بار پھر خدا کی قسم' مجھ عاجز کے بارے میں اُس اخبار میں جو کچھ بھی لکھا ہے سارا جھوٹ' اتہام اور بکواس ہے۔ خواجہ رحمت نام کے ایک حرامی نے کہ جو بریلی کے سادھو بچوں میں سے ہے اور ایک فتنہ پرداز جادوگر ہے شمس الدین خان کو اپنی جادو بیانی سے مطیع کر لیا ہے اور اس کے دل میں ایسا گھر بنا لیا ہے کہ شمس الدین خان کے لیے اس کے دائرہ حکم سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں رہا ہے۔ خبر نگاروں کو مال و قال سے اپنا فریفتہ کر کے جو خبر بھی چاہتا ہے اطراف میں بھیج دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ رائے سدا سکھ صاحب کے نام کا ایک خط بھی اس ہی خط کے ساتھ کھلا ہوا بھیجا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ اس کو پہلے آپ خود پڑھیں گے اور پھر رائے صاحب کے سپرد کریں گے۔ جو کچھ بھی ہے وہ رائے صاحب کے نام جو خط ہے اور

۱۔ متن میں ایک 'اخبار' زائد معلوم ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ جو رقعہ لف ہے اس کے پڑھنے سے واضح ہو جائے گا۔

حضرت اکبر شاہ فلاں بیگ کی وفات کے دن مختلف امراض میں مبتلا تھے۔ پرسوں کہ آخری صفر کا چہار شنبہ تھا غسلِ صحت کیا ہے۔ لیکن ابھی کمزور ہیں اور عرضداشتیں سننے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ حضرت مخدومی کے دل کا مقصد میرے اندازے کے مطابق قابلِ حصول نہیں ہے۔ چونکہ (ان امور میں) عقل کی کنجی سوہن لال ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنے بھائیوں میں سے ایک کو سفارت پر فائز کراوے اور خود اس کا مقصد حاصل نہیں ہو رہا ہے تو کسی دوسرے کی بات تو دور کی بات ہے۔ امید ہے کہ مولوی سراج الدین احمد صاحب کی خدمت میں تسلیمات پہنچائیں گے اور اگر ممکن ہو اور مشکل نہ ہو تو دو تین سطریں اپنے دستخط کے ساتھ الگ کاغذ پر لکھوا کر اپنے خط میں رکھ کر بھجوا دیں۔ افسوس میں کیا کہہ رہا ہوں۔ بھلا مجھے یہ کس طرح معلوم ہوا کہ مرزا صاحب مجھے کوئی خط لکھیں گے کہ اس میں حضرت مولوی صاحب کا خط بھی لف کر دیا جائے۔

خط (۲/۲۳)

قبلۂ من!

شکایت کی کوئی انتہا نہ تھی اور شکوے کا اختتام نہیں تھا۔ سو میں نے جا کر زمانے سے مصالحت کر لی۔ تازہ خبر یہ کہ حاکمِ دہلی نے مجھے بلایا اور اپنی زبان گہربار سے فرمایا کہ مرکزی دفتر کے حکام نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ نصر اللہ خان کے متعلقین کو یہی ملے گا اور اسی طرح مستقبل میں بھی ملے گا جس طرح ماضی میں ملتا رہا ہے۔ اگرچہ یہ مکروہ امر

واقعہ ہزار گونہ غم واندوہ کا سبب ہے لیکن خدا کی قسم کہ میرا دلِ آزاد کسی جانب مائل نہیں اور اپنے مقصد کے حاصل نہ ہونے سے میں رنجیدہ نہیں ہوا ہوں۔ لیکن یہ غم مجھے مارے ڈال رہا ہے کہ کونسل میں ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا ہوگا کہ تجویز سابق کو اس طرح اٹھا پھینکیں۔ ہاں حاکم دہلی شروع میں مجھ پر مہربان تھا لیکن آخر آخر میں دشمنوں کی چغلخوری(۱) کارگر ہوگئی اور وہ دشمن کا طرفدار بن گیا اور مجھ سے منہ پھیر لیا۔ دشمن کی پیش کی ہوئی سند کو مرکزی دفتر کے اراکین(۲) کو درست اور سنجیدہ طریقے سے دکھایا اور وہ جواب کہ جو میں نے دیا تھا اور وہ دو ورق جو میں نے ظالموں کے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کر کے محکمے کو بھیجے تھے رپورٹ میں شامل نہ کئے اور میرے مقدمے کا کونسل میں یک طرفہ فیصلہ ہوگیا۔ میری محنت ضائع ہوگئی اور میرا حال تباہ۔ خدا کا (پھر بھی) شکر ہے کہ ناکامی اور نامرادی میرے لیے آسان ہے۔ البتہ عوام کے تمسخر اور خواص کی ملامت کا قدرے آزار برداشت کرتا ہوں اور وہ بھی گزر ہی جائیگا۔

؎ در طور گر امروز ز موسیٰ اثرے نیست
فرداست کہ از طور ہم آثار نماند

(ترجمہ) آج اگر طور پر موسیٰ کے آثار نہیں تو کل طور کے آثار بھی (باقی) نہیں رہیں گے۔

امید کرتا ہوں کہ تھوڑی زحمت کریں گے اور مجھ پر چند مہربانیاں

۱۔ متن میں ”سعادت اعدا کارگر افتاد“ ہے اغلباً سعادت نہیں سعایت ہے۔ ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

۲۔ متن میں ”براحالی صدر“ لکھا ہے۔ اغلباً یہ ’براہائی صدر‘ ہے ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

فرمائیں گے۔ پہلی تو یہ کہ رائے سدا سکھ صاحب کے نام کے خط کو شروع سے آخر تک غور سے پڑھیں اور مکتوب الیہ کو پہنچا دیں۔ اور کوشش فرمائیں کہ قطعہ چھپ جائے اور مشہور ہو جائے اور زبان زدِ عام ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ جناب سفیر کے نام جو خط ہے اس کو بھی شروع سے آخر تک پڑھیں اور ان کو پیش کر دیں اور اس کے جواب پر چنداں اصرار نہ کریں۔ اگر مل جائے تو اپنے خط کے ساتھ ارسال کر دیں۔ دوسرے جناب عالی سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ تھوڑا کونسل کا حال ضرور لکھیں۔ کہتے ہیں کہ ولیم بیلی صاحب ولایت اور مٹکف صاحب بمبئی جا رہے ہیں اور دہلی کے لیے کسی دوسرے حاکم کا فیصلہ ہوا ہے۔ اس بارے میں جو کچھ بھی ظاہر ہو فدوی کو لکھیں اور خدا کے واسطے جواب لکھنے میں تساہل نہ کریں۔ ڈاک کا آدھا محصول اس علاقے کی سرکار کو دیا گیا اور آدھا دوسری جانب (مکتوب الیہ) کے ذمہ کر دیا گیا۔ یہ خط منگل کے دن بارھویں شوال کو سپرد ڈاک کیا گیا۔

خط (۳/۲۴)

کعبۂ من؛

آپ کا حکم میری جان و دل پر جاری ہے۔ جو کچھ بھی کہیں سر کے بل دوڑوں گا اور سر کے بل چلوں گا۔ لیکن آپ اہل دہلی کے طور طریق سے واقف نہیں۔ جہاں تک حالات کو سمجھنے کی میں نے کوشش کی ہے لوگ مجھ سے دور بھاگتے ہیں چنانچہ آپ سے بھی بدظن ہو جائیں گے اور سوچیں گے کہ مرزا احمد بیگ خان نے اسد اللہ خان کو اس کام پر مامور کیا ہے کہ آہستہ آہستہ تمام امور میں دخل اور تصرف حاصل کر لیں۔ خدا

کے لیے خود کو بدنام اور مجھ کو رسوا نہ کیجئے۔ عقلمند کو چاہیے کہ اگر حقیقتاً بھی کسی امر کے درپے ہو تو بھی اپنے آپ کو اسقدر آزاد اور بے فکر ظاہر کرے کہ کسی کو اس کے راز سے آگاہی نہ ہو نہ یہ کہ تمہاری طرح صاف دل اور فارغ البال ہو جائے اور باوجود بے طمعی اور آزادی کے لوگوں کی نظر میں خود کو انتہائی حریص اور لالچی بنا دے۔ مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں پر سچائی کا گمان نہ کیجئے بلکہ سب کو اپنے آپ سے وحشت خوردہ اور اپنے مخلصین سے خوف زدہ سمجھئے۔ اگر آپ اس شہر آنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر آپ کی مرضی۔ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

خط (۴/۲۵)

تنت بنازِ طبیباں نیاز مند مباد
وجودِ نازکت آزردۂ گزند مباد

(ترجمہ) خدا نہ کرے کہ تیرا جسم طبیبوں کے ناز اٹھانے کا محتاج ہو (اور) خدا نہ کرے کہ تیرے نازک جسم کو کسی تکلیف سے آزردگی پہنچے۔

قبلہ و کعبہ!

چند روز پیشتر (آپ کا) صحیفۂ قدسی حکیم صادق علی خان کے ذریعے مجھے ملا۔ ابھی جواب نہ لکھا تھا کہ آج ستمبر کی چوتھی کو (نجانے ربیع الاول کی کونسی تاریخ ہے) ایک خط مرکز صورت و معنی مولانا سراج الدین احمد صاحب کے پاس سے آیا۔ جس نے جناب کی ناسازی طبیعت کی اطلاع دیکر مجھے رنجیدہ کر دیا۔ چونکہ اس مکتوب دلپذیر میں یہ بھی تحریر تھا کہ اب قبلۂ نیکاں حضرت سید احمد علی خان کے علاج سے کچھ

افاقہ اور صحت کی امید رونما ہوئی ہے۔ خدا کی قسم اس افاقے جتنی ہی میرے انبوہِ الم میں کمی واقع ہوئی ہے۔ خدا کے واسطے مجھ بے کس سے آنکھیں نہ پھیر(۱) لیجئے گا اور جلد ہی صحت یابی کی خوش خبری دیجئے گا کہ اس کے بعد آپ کے خط کے انتظار میں میں دن شمار کیا کروں گا۔ اس خط میں جو حکیم صادق علی خان نے مجھے پہنچایا ہے' علاقہ ہوگلی کے قطع ہونے اور جہانگیر نگر کے علاقے کی علیحدگی کا ارادہ اور کلکتہ سے منہ پھیر کر دہلی کو دارالخلافہ قرار دینے کا عزم تحریر تھا۔ ہر چند جناب کے ملازموں کا دہلی آنا مایۂ افراط مسرت ہے لیکن کلکتے سے ناخوشی بھی تو ایک قہر سے کم نہیں۔ واللہ کہ دہلی وہ اہلیت نہیں رکھتی کہ کوئی آزادہ منش یہاں خاک نشین بن جائے۔ اس جگہ کے لوگ بغیر سبب کے لوگوں کو تکلیف دینے والے ہیں اور اس ناہنجار سرزمین کے مردوزن مردم خور ہیں۔ نیت یہ ہے کہ جب یہ مقدمہ ختم ہو جائے تو کسی بہانے سے اس شہر سے نکل کھڑا ہوں ور کلکتے پہنچ جاؤں۔ میرا احوال اس عریضہ سے کہ جو جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب کے نام ہے واضح ہوسکتا ہے۔ مخدومہ معظمہ کی خدمت میں کورنش اور جان سے زیادہ عزیز (ہستی) کے لیے درازی عمر اور افزائش دولت کی دعا۔

خط (۵/۲۶)

میری ضرورتوں کے محور اور تمناؤں کے مرکز' خدا آپ کے سائے کو ہمیشہ قائم رکھے' وہ جان کہ جو دشمن سے بچائی نہ جا سکے اگر دوست کے قدموں پر نچھاور کر دی جائے تو

---

(۱) 'از من زار نظر قطع نخواہید کرد' خالص اردو طرز اظہار ہے۔

ظاہر ہے کہ (اس سے) حق محبت کسقدر ادا ہو سکتا ہے۔ پھر بھی ہر صورت حال میں بات شروع کی جا سکتی ہے۔ اور شکر کہ بہ اندازۂ جان و دل ہے کام و زبان سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ صحیفۂ قدسی کی آمد کے فیض نے مجھے میری نظر میں وقیع بنا دیا۔ میں سمجھ گیا کہ اگرچہ خدا نے مجھے بے حیثیت پیدا کیا ہے لیکن بے یار و مددگار نہیں چھوڑا اور برگزیدگان ازل کو میری غمخواری پر مقرر کر دیا ہے۔ ہر چند کہ میرا دل مطمئن تھا کہ جب کبھی مرشد زادہ عالی نسب مرتضوی صفت نے قبلہ و کعبۂ کونین حضرت مولوی کرم حسین کے آستانے کے سجدے کا نقش میری پیشانی پر دیکھ لیا (تو یقیناً) میرا سر خاک سے اٹھا لیں گے اور مجھے برباد نہیں ہونے دیں گے۔ لیکن انصاف بالائے طاعت۔ اگر (۱) اس اگر اس سفارش کی درخواست پر.......... نہ دیتا اور مثال کے طور پر سو عبودیت نامے بھی بھجوا دیتا ان میں سے ایک کے جواب سے بھی میری آنکھ روشن نہ ہوتی اور آپ کی خاطر اقدس میں میرا خیال نہ آتا۔ پنشن کے مقرر ہونے کا حال اس سے پہلے آپ کے ضمیر پر جو عقیدت کی آماج گاہ ہے آشکار ہو چکا ہے۔ اس امر کی حیرت نے دل کا گریبان اور فکر فاتر کا دامن پکڑ رکھا ہے کہ اب میرے قبلہ و کعبہ کے لیے کلکتہ میں اقامت کا کیا سبب (۲) ہے۔ اہل وطن کی نوازش میں کیا چیز مانع ہے اور اس شہر میں قیام جاری رکھنے کا کیا موجب ہے۔ بہر حال اس خدائے یکتا و جہاں آفریں سے یہی امید ہے کہ جہاں بھی رہیں مخلوق کے راہبر اور دنیا کے پیشوا رہیں۔

۱۔ متن میں لفظ "سپارش" کے بعد "زحمت اوقات صفات نہ دادے" ہے جو بظاہر درست نہیں معلوم ہوتا چنانچہ نقطے ڈال کر "دادے" سے آگے ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

۲۔ متن میں "از چہ راہ و راست" ہے جبکہ ترجمہ "از چہ راہ است" کے قیاس پر کیا گیا ہے۔

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود

سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

(ترجمہ) جس زمین پر تیرے تلوے کا نشان ہو وہ برسوں اربابِ نظر کے لیے سجدہ گاہ رہے گی۔

اس شہر میں منصف کے ورودِ عالی کے بعد جو کچھ بھی روپذیر ہوا عرض حال کے طور پر آپ کی خدمت غریب نواز میں پیش کر دیا جائے گا۔

خط (۶/۲۷)

قبلۂ من!

اس مہربانی کا شکر کہ ایک عمر کے بعد مجھے یاد کیا ہے، پوری ایک عمر تمام کیے بغیر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ میں جانتا ہوں کہ میری تھوڑی عمر ہی اب باقی رہ گئی ہے۔ البتہ وہ شکر کہ جس کی ادائیگی سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا' کام و زبان سے باہر نکال کر مغزِ دل و جان میں ڈالے دیتا ہوں کہ ادا نا کردہ نہ رہ جائے اور کام و زبان کی مدد کے بغیر ادا کیا جائے۔ بے کسوں کو آپ یاد کرتے ہیں اور روسیاہوں کو خط لکھ کر خوش کرتے ہیں۔ خدا کرے بہت سا جئیں۔ اُس خط میں کہ اب جس کا جواب لکھنے کی فکر میں ہوں تحریر تھا کہ خاص طور پر اسد اللہ کے لیے نہیں بلکہ خواجہ حاجی خان مرحوم کے بچوں کی خاطر کام نکالنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے ہنسی آ گئی اور حیرت سے وارفتہ ہو گیا کہ اس کے استحقاق اور عدم استحقاق سے قطع نظر خواجہ حاجی کو خواجہ حاجی خان مرحوم کس دستاویز اور کس تعلق کی بنا پر کہا جا سکتا ہے۔ باوجود اس کے کہ احمد بخش خان نے خواجہ حاجی کے

ساتھ باپ کا سا سلوک کیا اور اس کو بے حیثیتی سے (با حیثیت) بنایا ہمیشہ خواجہ حاجی رکھا اور (اسکو) خواجہ حاجی کہا۔ خانی کے خطاب سے ہمارا اس کو مخاطب کرنا اس کہانی کے مطابق ہے کہ ایک متعصب سنّی ایک محفل میں بیٹھا تھا کہ اس مجمع میں سے کسی نے حضرت علیؓ کا نام لیا اور اس کے ساتھ علیہ السلام کہا۔ اس متعصب کو تاؤ آ گیا لیکن دم سادھے رہا۔ اور بات کو طول دیکر یہاں تک پہنچا دیا کہ ابنِ ملجم کا ذکر آ گیا۔ جب اس نے اس کا نام لیا تو رضی اللہ عنہ کہا۔ اہل محفل نے اس کو منع کیا کہ علی ابن ابی طالب کے قاتل کو رضی اللہ عنہ مت کہو۔ وہ متعصب بپھر گیا اور کہا کہ افسوس چونکہ علیؓ کو کہ قاتلِ عثمانؓ ہے علیہ السلام کہتے ہیں تو میں بھی ابن ملجم کو کہ حضرت علیؓ کا قاتل ہے رضی اللہ عنہ کہنے پر جواب دہ نہیں بنوں گا۔ یہ بات یہاں ختم ہوگئی۔ اب میں اپنی بات کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔مرزا عباس خان کے نام کا خط پہنچا دیا گیا۔ گھر میں سے گھر میں تسلیمات۔ اندر اور باہر سے یعنی دل اور زبان دونوں کے ذریعے فرزندان سعادتمند کو دعائیں پہنچیں۔

خط (۱/۲۸)

بنام مرزا ابوالقاسم خان

جناب کی خاطر روشن و منوّر پر واضح ہو کہ جناب کا التفات نامہ خوشگوار پھلوں کے ساتھ پہنچا۔ بخشنے والا خدا اس مسافر پروری پر آپ کو سلامتی عطا کرے۔ کل آغا صاحب غریب خانے پر تشریف لائے تھے۔ اپنی والدہ کی

طبیعت کی ناسازی کی بات کرتے تھے۔ دن ڈھلے میں بھی امام باڑے گیا اور رسم عیادت ادا کی۔ خدا کی قسم کہ جو محبت مجھے ان مخدوم سے ہے اس کے اثرات کی کیا وضاحت کروں کہ اس امر پر کسقدر پریشان ہوں۔ اگرچہ مجھ جیسے گناہ گار اور تباہ حال کی دعا کی کیا قدر و قیمت لیکن کثرت محبت مجھے بے چین رکھتی ہے اور دعا کو میرے لبوں سے از خود ابھارتی ہے۔ لیکن چونکہ ریا سے پاک ہے اس لیے امید کرتا ہوں کی خدا کی بارگاہ میں قبول ہوگی اور اپنا اثر دکھائے گی۔ صاحب من ایسے حالات میں کہ وہ خود افسردہ ہیں اور خانم بھی افسردہ ہوں گی رقم معلومہ کے ضمن میں کسی کوشش اور اصرار کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں ہاں یہ تو شیوہ کریمی کی نشانیاں ہیں کہ خود بھی دردمند ہوں اور دردمندوں کی غمخواری کریں۔ شکستہ ہاتھ دعا کے علاوہ کیا کرسکتا ہے۔ خدا آپ کو سلامت رکھے اور طویل عمر دے۔ زیادہ زیادہ۔

خط (۲/۲۹)

جود و کرم کے دسترخوان کے ظرف کا ریزہ خوار (آپ کی) خدمت میں یہ عرض کرتا ہے کہ سری پائے پہنچے۔ اور کامِ جاں کو محبوبوں کے تبسمِ شور انگیز کی لہر میں لوٹ پوٹ کردیا۔ دماغ کو بھی طاقت دی اور ہاتھ پاؤں کو بھی توانائی بخشی۔ اس کا گودا اپنے خمیر کی لطافت میں قوائے نفسانی کے اضافے کا سرمایہ نہیں نہیں میں نے غلط کہا زندگی کے چراغ کے تیل کا مادہ ہے۔ فمِ معدہ اس کے شوربے کی روانی کا ثنا خوان ہے اور آنتیں اس کے کنجوں کی لذت کے شمار کی تسبیح پڑھ رہی ہیں۔ روٹی نے جب اس

کے شوربے کے معیار کو پہچانا تو پہلے حملے ہی میں خوف (۱) سے سپر ڈال دی اور جب زبان اس کی روانی کی لذت کی شکر گذاری میں (مشغول (۲) ہوئی) تو شوربے کی آبِ حیات کی موج اُس کے سر سے گزر گئی۔ اس کی ہڈیوں کے نظر فریب جلوے پر ہما دیوانہ ہو گیا ہے اور اس کے بھنے ہوئے مغز کے حسن پر عقل فریفتہ ہو گئی ہے۔ اس کی مرچوں کے مزے کی تیزی محبوبوں کی ادائے عتاب کی طرح گلوسوز تھی اور اس کی ہڈیوں کے چٹخنے کی آواز چنگ و رباب کے نغمے کی طرح سامعہ نواز۔ میں تو بات کو طول دینا اور اس نعمت کی تعریف کے بعد صاحب نعمت کا شکر ادا کرنا چاہتا تھا کہ اچانک میرے جبڑے نے مجھے ناز کے ساتھ آنکھ کا اشارہ کیا اور اپنے سر کی قسم دے کر گویا ہوا کہ اپنے ہاتھ سے قلم فوراً رکھ دو اور نلی کے گودے کی لطافت کا مزہ لو۔ چونکہ مجھے اس کی خاطرداری منظور تھی اور اس کی قسمت (۳) پُر مایہ تھی لہذا تعمیل کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

۱۔ بے جگری۔ لغت دھخدا بحوالۂ آنندراج۔ بیمنا کی۔ اگرچہ بالکل متضاد معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ متن میں بظاہر "روانش" کے بعد "شناخت" کے مقابلے کا لفظ رہ گیا ہے۔ چنانچہ پرداخت قیاس کر کے ترجمہ کیا گیا ہے۔

۳۔ متن میں "قسمتش غلیظ بود" لکھا ہے غلیظ کسی لغت میں کوئی لفظ نہیں۔ شوربے کی رعایت سے غلیظ ہی ہو سکتا ہے لیکن قسمت کے تعلق سے بے معنی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے معنی "پُر مایہ" کئے گئے ہیں جو سیاق و سباق میں مناسب بھی تھے اور مستند لغات سے ثابت بھی۔ (فرہنگ فشردہ فارسی با انگلیسی) تالیف ڈاکٹر عباس آریانپور کاشانی و ڈاکٹر منوچہر آریانپور کاشانی۔

خط (۳/۳۰)

قبلۂ من!

بزرگوں سے تشریف آوری کی درخواست اگرچہ بے ادبی ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آفتاب کھنڈر پر بھی چمکتا ہے اور احسان نہیں دھرتا' بادل خاروخس پر بھی برستا ہے اور اس کو کسرِ شان نہیں سمجھتا۔ اس امید کے سہارے پر یہ آرزو کی جاتی ہے کہ آج ساعت دو ساعت دن رہے راقم کے غریب خانے پر تشریف لائیں اور مرزا صاحب کو بھی اپنے ساتھ لائیں۔ فقط۔

خط (۴/۳۱)

میرے مخدوم ومطاع خدا آپ کو سلامت رکھے'

کل جو تبرک آپ نے بھیجا تھا وہ پہنچا اور (اس نے) دو عالم میں سرفراز کردیا۔ صاحب نذر (امام مہدی) اپنے ظہور تک آپ کو سلامت رکھے اور بلند مراتب ظاہری وباطنی پر پہنچائے۔ سوائے تسلیم کے اور کیا عرض کروں۔

خط (۵/۳۲)

اے میرے مخدوم وجائے پناہ'

میں گھر پر نہیں تھا۔ واپس آیا تو خوانِ نعمت کو اپنے لیے تیار پایا اور صاحب نعمت کا شکر بجالایا۔ اس مہربانی پر خدا آپ کو طویل عمر دے۔ آج کل میں اگر بیدانجیر کا روغن مرحمت فرمائیں تو دنیا کی قسم قسم کی نعمتوں سے زیادہ اچھا ہو۔ زیادہ نیاز۔

خط (۶/۳۳)

قبلۂ جان ودل سلامت،

(آپ کے) سر کے گرد طواف کرتا اور اپنی جان اس تلووں کی خاک پر نچوڑتا ہوں۔ سبحان اللہ۔ جذبہ شوق پر ناز کرتا ہوں کہ آج صبح سویرے سو کر اٹھا ہی تھا اور ارادہ کر رہا تھا کہ ایک خط غفلت کی شکایت کے طور پر آپ کے ملازموں کو لکھوں گا۔ ابھی یہ خیال دل میں پختہ نہ ہوا تھا کہ آپ کا گرامی نامہ میری فریاد کو پہنچ گیا اور مجھے رنج کی قید سے نجات دلائی۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی طبیعت درست ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ آپ کو عافیت کی محفل کا مسند نشین رکھے۔ بید انجیر کے روغن کی بوتل زندگی کے چراغ کی روشنی کا سرمایہ بن گئی۔ خدا تعالیٰ آپ کو اس غریب پروری اور مسکین نوازی پر سلامتی عطا کرے۔ آج بارش اور بادل کے زور کی وجہ سے میں نے اس روغن کے استعمال میں تعجیل نہیں کی۔ ایک دو دن کے بعد بوتل کا ڈھکنا کھولوں گا اور آدھا میرا آدھا تیرا کے مضمون پر عمل کروں گا۔ آپ کے اقبال اور سعادت کے سدا قائم رہنے کی دعا کے علاوہ اور کیا عرض کروں۔

خط (۷/۳۴)

قبلۂ جان ودل سلامت،

آپ کے گرامی نامہ کے جواب میں صبح جو قطعہ میں نے تحریر کیا ہے آپ کا آدمی شاہد ہے کہ کس گھبراہٹ اور عجلت میں لکھا ہے۔ بخدا جناب کے قطعہ کے شایانِ شان نہیں تھا۔ گویا اس قطعہ کا مقصد صرف دال اور اچار کی رسید بھیجنا تھی اور کچھ نہیں۔

امید کہ اس کو پانی سے دھوڈالیں یا آگ میں جلا دیں۔ چونکہ اس کو فکر کی مدد کے بغیر صرف قلم کے زور پر لکھ دیا ہے۔ خدا نہ کرے اس میں کوئی نقص رہ گیا ہو اور دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے آپ کو سید الشہدا کی قسم کہ کسی کو(۱) نہ دکھائیں اور اس کو تلف کر دیں۔

اس خط میں جو قطعہ مرقوم ہے وہ جناب عالی کے قطعہ کا جواب ہے جو چاہے دیکھے کوئی ڈر نہیں۔ گذشتہ رات میں نے روغن بید انجیر اور نمک آب کا مسہل لیا تھا۔ لیکن طبیعت نے قبول نہ کیا اور قبض رفع نہ ہوا۔ آج میں نے اپنے طور پر ایک ایسی ترکیب کہ رات کے مسہل کے فعل کی تائید کرے استعمال کی تھی۔ خدا کی قسم اگر اس قسم کی رکاوٹیں راہ میں نہ ہوتیں تو میں قطعے کو اپنے دست اخلاص کی پونجی بنا کر جناب کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اگر موت سے محفوظ رہا تو ان دو تین دن میں قدمبوسی کی سعادت حاصل کروں گا۔

خط (۸/۳۵)

خدمت عالیہ میں عرض رساں ہوں کہ پرسوں رات خوشی کی محفل میں جناب عالی کی بڑی کمی محسوس ہوئی۔ نہ آنے کا چونکہ سبب تھا مجبوراً جدائی برداشت کرنی پڑی۔ نمعلوم طبیعت کی پراگندگی کہ جو بیماریوں کے باعث تھی، اطمینان میں

۱۔ متن میں "آں را بکس نہ نمایند" ہے جب کہ غالباً "آں را بکسی نہ نمایند" درست معلوم ہوتا ہے۔ ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

تبدیل ہوئی یا ان پریشانیوں کا کچھ اثر باقی ہے۔ امید کرتا ہوں کہ خیریت کی اطلاع بھجیں گے اور اطمینان بخشیں گے۔ قبلۂ من! یہ عرضداشت لکھ کر سوچ ہی رہا تھا کہ آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا کہ یکا یک جناب کا عنایت نامہ آ پہنچا۔ یقیناً آپ نے معجزہ کر دکھایا۔ اور واقعی آپ کی خیریت کی خوشی خبری سے مجھے بے انتہا مسرت ہوئی۔ خدا تعالیٰ آپ کو شاد و آباد اور ہر غم سے آزاد رکھے۔ جناب مرزا محمد حسین صاحب نے تغافل نہیں فرمایا ہے۔ شاید پرسوں کی بیماری کے سبب کوٹھی نہیں گئے ہیں۔ اگر کل کوئی خط (۱) نہیں پہنچا تو جناب کی ایما کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ آموں کے تحفے پر تسلیمات قبول ہوں۔

خط (۹/۳۶)

عرض کیا جاتا ہے کہ جناب کا نوازش نامہ مع روح پرور سالنوں کے ذائقہ نواز ہوا اور شکرِ نعمت نے (مجھے) تر زبان بنایا۔ منعم حقیقی مسافروں کی پرورش کا صلہ عطا کرے۔ میرا حال مختصراً یہ ہے کہ جمعرات کے دن یکا یک میں نے سنا کہ پیر کے دن جناب نواب گورنر بہادر دربار عام کریں گے۔ میں چونکہ نو واردوں میں سے ہوں میں نے اس پر غور کیا اور صبح تڑکے دفتر چلا گیا۔ (لیکن) جناب اسٹرلنگ صاحب بہادر سے ملاقات کی کوئی صورت نہ بنی۔ مجبوراً واپس آ گیا۔ رات (اسی) بیم و امید میں گزار کر ہفتے کے دن دوبارہ گیا۔ مہربانی کر کے ملاقات کا شرف بخشا۔ میں نے

۱۔ اگر "فردا بخشے نہ رسید" یہ ہندوستانی فارسی ہی نہیں وہ فارسی ہے جس پر غالب، قتیل اور ان کی قبیل کے کسی شخص کو اپنے پاسنگ نہ سمجھتے تھے۔

خلعت کی گذارش کی۔ فرمایا کہ آپ کے رخصت ہونے کے وقت تک یہ کام بخوبی ہو جائے گا۔ جب اتوار آئی تو میں اپنے غم کدے سے اٹھ کر سراج الدین احمد صاحب کے مکان پر چلا گیا اور رات وہاں بسر کی۔ پیر کے دن وہیں سے سوار ہو کر پہلے دفتر گیا اور وہاں سے گیتی پناہ دربار میں پہنچا۔ ملاقات ہوئی اور مجھے عطر و پان پیش کیا گیا۔ واپس آیا تو دوستوں نے گھر نہ لوٹنے دیا۔ (سو) رات وہیں گزاری۔

ع۔ درویش ہر کجا کہ شب آید سرائے اوست

(ترجمہ) جہاں رات ہو جائے وہی درویش کی سرائے ہے۔

آج صبح وہاں سے سوار ہو کر اپنے ایک دوست کے گھر کہ جو راستے میں تھا پہنچا (اور وہاں سے) اپنے غم کدے میں اس وقت پہنچا کہ جب جناب کا ملازم آپ کا خط ہاتھ میں لئے میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس گرامی نامے کا جواب لکھا اور اس میں کچھ اپنا احوال بھی تحریر کیا۔ مجھے کچھ کاغذ کی ضرورت تھی۔ (سو) میں نے آپ کے آدمی کے ساتھ کہار کو بازار بھیجا کہ اس کو کاغذ دلوا کر جس چیز کے لیے بھیجا گیا ہے لے آئے۔ اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا لیکن ضروری خطوط کی تحریر رکاوٹ بنی۔ اگر کوئی نئی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی تو میری آرزو کا نقش لوح مراد پر ہویدا ہو جائے گا یعنی سر شام آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا۔ زیادہ نیاز۔

خط (۱۰/۳۷)

قبلہ بندہ

جب کبھی آپ کا خط پہنچتا ہے تو مجھے القاب و آداب کے انتخاب میں کیا بتاؤں کیسی حیرانی کا سامنا ہوتا ہے۔ ہاں، جب سمندر قطرے کی اس طرح تعریف کرے تو قطرہ اپنے ہوش وحواس گم کردینے کے علاوہ اور کیا کرسکتا ہے اور جبکہ آفتاب کسی ذرے کو اس جوش و جذبے سے نوازے تو ذرّے سے سوائے گرمی کے اظہار کے اور کیا بن پڑتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک ایک حرف سے تندیِ محبت کے آثار ملتے ہیں۔ اس طرح کی عنایات وکرم کے جواب میں ناکسوں سے سوائے سر کے گرد چکر لگانے اور قربان ہونے کے کیا ہوسکتا ہے۔ اس دردمندی اور غمخواری پر خداوند کریم آپ کو سلامت رکھے۔ آج دوپہر تک میری آنکھ میرے خیال کے ساتھ بیدار اور میری روح مسرت سے ہمکنار رہی کہ اب میرے مخدوم کا خط دروازے سے داخل ہوتا ہے اور میری شامِ غربت کی صبح طلوع ہوتی ہے۔ اِس وقت خیال تھا کہ کوئی آدمی بھیجوں اور جناب کی خیریت دریافت کروں کہ عنایت نامہ پہنچا اور باعثِ تسکین ہوا۔ کل دوپہر تک، جناب عالی تکلیف نہ فرمائیں (چونکہ) میں کہیں جاؤں گا۔ البتہ دوپہر کے بعد سے شام تک اپنے غمکدے کی دیوار پر نقش کی صورت رہوں گا۔ زیادہ تسلیم اور بس۔ کمترین سے کمتر۔ اسد اللہ۔

خط (۱۱/۳۸)

مخدوم بندہ پرور سلامت،

ہائے کل کی محرومی کہ قافلہ درقافلہ آرزوؤں کے ہمرکاب دولت خانے کے دروازے پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ جناب عالی سوار ہو کر کہیں چلے گئے ہیں۔ نیک بختی کی آنکھ کی پتلی، محمد مرزا کے دیدار کی خوشی نے قدرے افسردگیٔ دل کی تلافی کی۔ خدا تعالیٰ اس کو آپ کے سایہ محبت میں زندہ رکھے۔ چند لمحے جناب تپاںؔ کی خدمت میں بیٹھ کر مہدی باغ کی طرف چلا گیا۔ شام کے وقت جب اپنے غم کدے میں پہنچا تو سنا کہ اس ویرانے پر آفتاب چمکا تھا (لیکن) میرا ذرہ قبولیت کی روشنی سے دوچار نہیں ہوا۔ حسرت پر حسرت مستزاد ہوئی اور رنج پر رنج کا اضافہ ہوا۔ حواس باختہ سا ہو گیا اور اپنے حال دل پر کچھ آنسو بہائے۔ (البتہ) جناب عالی کے ضمیر پاک صفت نے مجھے دلاسا دیا اور اس باہمی آمد و رفت کو معنوی محبت اور حقیقی یگانگت کی علامت ظاہر کیا۔ دل کو قدرے تسکین ملی اور اوسان بجا ہوئے۔ امید کرتا ہوں کہ محبت افزائش میں اور آپ کا کرم بخشائش میں سرگرم رہیں گے۔ فقط

خط (۱۲/۳۹)

اعلیٰ صفات وعمیم الاحسان، خان صاحب کی، کہ بے کسوں کا محور امید ہیں، خدمت عالیہ میں یہ عرض ہے کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ زمانِ فراق کی طوالت کے ستم کے اظہار سے (میں) مطلبی تقاضائیوں کے زمرے میں شمار نہیں ہوں گا تو میں کیسے کیسے گریبان پھاڑتا اور زہرہ گداز دوری کے درد سے کیسی کیسی آہ و بکا کرتا۔ لیکن

احسان ہے اس خدائے بزرگ کا (کہ) اُس مخلصوں کے مرکز امید کی حق شناس
اورحق پرست طبیعت، محبت کی سچائی کا معیار اور راستی اور حقیقت کے سرمایے کی کسوٹی
ہے۔ ناچار پردے سے باہر آتا ہوں اور نغمہ شوق کو بغیر خوف و ہراس کے الاپنا شروع
کرتا ہوں۔ مختصر یہ کہ جدائی کی برداشت اور اشتیاق کے جھٹکے سہنے کی توانائی نہیں ہے۔
بارہا میں نے آدمی بھیجا اور دو تین بار خود بھی بے چین ہو کر دولت خانے کے دروازے
پر پہنچا۔ جس کسی سے پوچھا یہی جواب سنا کہ ابھی تشریف نہیں لائے ہیں۔ خدا کے
واسطے اگر آپ کی آمد میں ابھی کچھ دیر اور تعطّل ہے تو مجھے آگاہ کر دیں کہ میں پریشان
ومضطرب نہ ہوں۔ اور اگر دو تین دن میں آسکتے ہوں تو مجھے یہ خوش خبری دیں تاکہ
دل سے افسردگی زائل ہو۔ یہ نہ خیال کیجئے گا کہ غالبؔ اپنے کاموں میں جلد باز
اور اپنے مطلب کی ضمن میں فضول آدمی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس طوالتِ کلام کا
سبب شوق دیدار ہے۔ ہاں اُس قدر (ضرور) ہے کہ اپنی مجبوریوں کے سبب میں نے
اپنی چشمِ حرص کو آپ کی غریب نوازیوں سے پیوستہ اور ہوس کے چراغ کو اپنے خیال
کے خانۂ درون میں روشن کر لیا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے بڑھ کر میری
ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ کیا معلوم اُس قدر وہاں کا قیام خصوصاً میری امداد اور چارہ
گری کے لیے ہو۔ ہر چند کہ یہ ساری نوازشیں خاطر نشان و دل نشین ہیں لیکن دل کم
ہمتی سے بھرا ہوا ہے اور ہونٹوں پر افواہوں کے سبب فریاد ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ
شوق کی بے اختیاریوں کا عذر قبول فرمائیں گے اور اپنے چھوٹوں کے عیوب سے
صرفِ نظر کریں گے۔ والسلام ولاکرام۔

خط (۱۳/۴۰)

مخدوم ظاہر و باطن سلامت،

بزمِ مشاعرہ کے بعد خیال تھا کہ چند باتیں آپ کے گوش گزار کروں اور دل کا غبار ہلکا کروں۔ لیکن میں تو جنابِ عالی کے جوانوں جیسے عزم کا مارا ہوا ہوں کہ آپ محفل سے اٹھ کر اس طرح چل دیے کہ الوداع بھی نہ کہہ سکا، سلام دعا تو دور کی بات ہے۔ مجبوراً اب اپنے قلمِ نیاز رقم کو اپنے مدعا کی گذارش کا وکیل بنا کر ایک خط آغا صاحب کے نامِ نامی کے لیے لکھ کر اس عرضداشت کے ساتھ بھیج دیا ہے۔ امیدوار ہوں کہ اس کو شروع سے آخر تک (۱) دیکھ کر مکتوب الیہ کے حوالے کر دیں گے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جو کچھ میں نے آغا صاحب کو لکھا ہے آپ کی خدمت میں بھی عرض کر دیتا۔ لیکن مصلحت اس ہی کی متقاضی تھی۔ بہر صورت کام آپ کی مہربانی ہی سے ہونا ہے اور باقی سب بہانے ہیں۔

خط (۱۴/۴۱)

قبلۂ من،

خدا کی قسم کہ آقائے محمد حسین کی ناسازیٔ طبیعت کے خیال سے دل ہر وقت رنجیدہ رہتا ہے۔ خدائے قادر، مروّت کے سمندر کے اُس موتی کو سلامت رکھے اور

۱۔ متن میں "سرتا پائے آں نہ گرستہ بہ مطلوب الیہ بسپارند" ہے۔ ظاہر ہے "نہ گرستہ" کی جگہ درست "نگریستہ" ہی ہو سکتا ہے۔ ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

تندرستی عطا کرے۔ اگرچہ فدوی کو کلکتہ کے ملاحوں کے جھگڑے اور ان کے بھاگ جانے کے سبب اور اس کشتی کے ہاتھ سے نکل جانے اور دوسری کشتی تلاش کرنے کے باعث ہوگلی بندر میں پانچ دن اور بھی ٹھہرنا پڑا اور میں نے آقا صاحب کی تندرستی کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے سرکار نواب صاحب کے ایک اہل کار کے ذریعے ایک خط آپ کے نام لکھ کر بھجوایا تھا۔ لیکن چونکہ ان پانچ دنوں میں اس کا جواب نہیں آیا تو میرا دل اور بھی پریشان ہوگیا۔ ہر دم زبان پر یہی دعا ہے کہ خدا کرے وہ صحتمند ہوگئے ہوں۔ جناب کی ہمدردی کا وہ انداز جو میں نے اپنے حق میں دیکھا ہے ایسا نہیں کہ اس کثیر سے قلیل کی وضاحت بھی کی جا سکے۔ خدا کی قسم آپ کے اخلاق کی تقویت کی بنا پر میں دہلی کی جدائی کا غم بھول گیا تھا۔ شکر ہے اور لاکھوں شکر کہ مسافرت میں مجھے ارباب وطن میں سے ایک وقیع شخص مل گیا۔ لیکن افسوس (اس کا ہے) کہ آئندہ ملاقات کی امید نہیں۔ جناب مرزا صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ دہلی پہنچوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ (ان کے آنے کا) اتفاق ہو۔ لیکن میرا ہاتھ آپ کے دامن تک دوبارہ نہیں پہنچے گا۔ افسوس مجھ پر اور میرے نصیب پر۔ آج کہ منگل کا دن ہے مرشد آباد میں ہوں اور کشتی کی تلاش ہے۔ امید کرتا ہوں کہ ان ہی ایک دو روز میں دریا کے راستے روانہ ہو جاؤں گا۔ اللہ بس باقی ہوس۔

خط (۱۵/۴۲)

مخدوم منؒ

اگرچہ ہوگلی کا قیام اختیاری نہیں تھا لیکن اس خط کے جواب کے انتظار نے

جو نواب علی اکبر خان کے وکیل کے توسط سے بھیجا تھا' مجھے انتظار کی کیفیت میں سرمست رکھا۔ اور خدا جانتا ہے کہ اس خط کا بجز آغا محمد حسین خان کی خیریت معلوم کرنے کے اور کوئی مقصد نہیں تھا۔ جب ان پانچ روز کے توقف کے دوران کوئی جواب نہ آیا اور کشتی کا بندوبست ہو گیا تو افسردہ دل چل پڑا۔ خدا کی قسم کسی پڑاؤ پر بھی آغا محمد حسین کی خیریت سے غافل نہیں رہا اور آج بھی وہ کشمکش بدستور ہے۔

فدوی نامہ جناب مرزا احمد بیگ خان دام مجدہ کے خط کے ساتھ مرشد آباد سے ارسال کر دیا گیا۔ کیا اچھا ہو اگر پہنچ چکا ہو۔ خدا کے واسطے اس خط کے جواب میں چند سطریں ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر مخدومی مرزا احمد بیگ خان کے اُسی خط کے ساتھ بھیج دیں۔ وہ گرامی نامہ مجھے باندے میں مل جائے گا اور اس غمزدہ کے لیے سرمایۂ آرامِ جان ہو گا۔ آغا صاحب کی خدمت میں سلامِ شوق لیکن محض زبانی نہیں بلکہ اس خط کو انہیں دکھائیں کہ درحقیقت یہ خط پہلے تو جناب عالی کے لیے ہے اور اس کے بعد بندگان حضرت آغا کے لیے۔ خط دو کاغذوں پر اس لیے نہیں لکھا کہ ہلکا رہے۔ اور انصاف بالائے طاعت ۔ مضمون (دونوں میں) سوائے سلام عرض کرنے دعا گوئی اور طریق خیریت طلبی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس عاجز کا یہ حال ہے کہ آج عظیم آباد کے گھاٹ کے کنارے بیٹھا ہوں اور کل عازم منزل مراد ہوں گا۔ خدا مجھے میرے آشیانے پہنچائے اور میری رات کی سحر کر دے۔ والسلام۔

خط (۴۳/۱۶)

قبلۂ من،

آغا صاحب کی صحت پانے کی خوش خبری نے دل کو تازہ اور روح کو شاد کردیا۔ خدا ان کو زندہ رکھے اور بلند مراتب پر پہنچائے۔ خدا کی قسم آغا کے ساتھ مجھے تہِ دل سے محبت ہے۔ ہر چند کہ الفت و محبت کا اظہار میرا شیوہ نہیں لیکن زبان کا کیا کروں کہ بجز سچی بات کے نہیں ہلتی۔ جناب عالی کی ذات گرامی سے مہر و محبت کا دعویٰ بے ادبی ہے۔ خدا کی قسم کہ آپ نے کلکتے میں غربت کا دکھ اور بے کسی کا غم میرے دل سے محو کردیا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ کلکتہ دہلی ہے اور غربت وطن ہے، قید خانہ گلستان ہے اور بیابان چمن۔ آپ میرے بزرگ ہیں اور میری جان و تن کے پرورش کرنے والے۔ بالآخر جمعہ کے روز کہ جمادی الاول کی پہلی تاریخ تھی باندے پہنچا۔ ہفتے کے روز اس جگہ سے روانہ ہو جاؤں گا۔ کولبرک صاحب ریزیڈنٹ دہلی کو عہدے سے معزول کردیا گیا ہے اور فرانسس ہاکنس صاحب حاکم دہلی تعینات ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ رحمدل اور سلیم الطبع انسان ہے لیکن افسوس کہ سیر و شکار کی طرف مائل ہو گیا ہے اور بے پروا واقع ہوا ہے۔ مظلوموں کی فریاد پر کان نہیں دھرتا اور ستم زدوں کو انصاف عاجلانہ نہیں دیتا۔ ہر چند کہ میرے مقدمہ میں مرکزی دفتر کا حکم محکم ہے لیکن جناب کے ملازموں سے اور آغا صاحب سے اس امر کی امید رکھتا ہوں کہ پہلے حالات ٹٹولیں اور معلوم کرلیں کہ مسٹر فرانسس ہاکنس بہادر کے، کہ اس سے پیشتر حاکمانِ تمام دگل کے حاکم اوّل تھے اور اب بریلی سے دہلی پہنچ کر دہلی کی ریزیڈنسی

پر تعینات ہیں، جناب کرنیل صاحب سے محبت کے تعلقات ہیں یا نہیں۔ اگر ایک دوسرے سے آشنا نہیں تو خیر اور اگر آپس میں دوستی ہو تو آپ اور آغا صاحب میری جانب سے خانم کی خدمت میں تسلیمات پہنچا کر اور ان کو میری بیچارگی یاد دلا کر اتنا کریں کہ ایک سفارشی خط ہاتھ آ جائے۔ (اس طرح) کہ حکومت کا حکم اور کرنیل صاحب کی تحریر دونوں مل کر مہربانی کے حصول اور نجات کی منزل کے وصول کا ذریعہ بن سکے۔ اگرچہ میں کلکتہ میں نہیں ہوں لیکن آپ کا اور آغا صاحب کا وہاں ہونا ضروری ہے۔ میری موجودگی کے وقت بھی کام آپ کی مہربانی ہی سے ہوا کرتا تھا اور بس۔ بلکہ اگر اس تمنا کے عرض کرنے میں اس کی ضرورت پڑے کہ کرنیل صاحب کے لیے میرے عبودیت نامے کی ضرورت ہو تو (میری طرف سے) اجازت ہے کہ مناسب القاب و آداب لکھ کر پیش کر دیں۔ بلکہ میں جانتا ہوں کہ ضرورت اس قدر اصرار کی نہ ہوگی۔ آغا صاحب کی خدمت میں بصد شوق سلام اور بہ ہزار آرزو پیام پیش ہے۔ اگرچہ مرض رفع ہو گیا ہے لیکن لاپروائی نہیں کرنی چاہیے اور احتیاط نہیں چھوڑنا چاہیے۔ مضمون مذکور ذہن نشین کر لینا چاہیے اور میری بے کسی بھی یاد رکھنی چاہیے۔ ابتدا میں آپ نے مناسب کوشش کی ہے۔ اب جبکہ گرہ کے کھلنے کا وقت آ پہنچا ہے توجہ کرنی چاہیے۔ خانم اور قبلہ کی خدمت میں میری بندگی پہنچے۔ اگر خدا نے چاہا اور ہاکنس صاحب کرنیل صاحب کے دوست نکلے اور چٹھی ہاتھ آ گئی تو ایک علیحدہ خط یہ پتہ لکھ کر دہلی بھیج دیں کہ ''بمقام دہلی کھاری باؤلی میں نواب نوازش خان کے دیوان خانے کے قریب عبدالرحمٰن خان کی حویلی میں اسد کے مطالعہ کو پہنچے۔''

خط (۱۷/۴۴)

قبلۂ من!

اگر معافی کا پکا یقین نہ ہوتا تو دل میں خط لکھنے (۱) کا حوصلہ نہ ہوتا۔ مانا کہ جناب نے میرا جرم معاف کر دیا اور میری خطا پر خط تنسیخ کھینچ دیا (لیکن) اپنے آپ کو اپنی نظر میں کس طرح باعزت گردانوں۔ ع۔ اگر گناہ بہ بخشند شرمساری ہست۔

(ترجمہ) اگر گناہ بخشدیں (پھر بھی) خجالت (باقی) ہے۔ نور چشم محمد مرزا کے واقعہ پر جو میرے قلم سے تعزیت کی کوئی سطر نہیں نکلی (تو اس غلطی پر) مجھے زیادہ سے زیادہ ذلیل و خوار کریں۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ کئی دن تاریخ کی سوچ میں اور پھر بہت سے دن میری اپنی پریشانی میں گزر گئے لیکن اب تک نہ محمد مرزا کی وفات کی تاریخ ہی مکمل ہوئی اور نہ میرے جینے کی ہی کوئی صورت بنی۔ اس شہر کے حاکم نے میرا گھر بار فنا کے سیلاب کے حوالے کر دیا۔ اور میری محنت اور صعوبت کو ضائع اور میرے حق کو تلف کر دیا۔ اگرچہ اس شکستگی کا مرہم اور اس خستگی کا درمان حاکمانِ دفترِ مرکزی کے دواخانے میں ہے' لیکن مجھ جیسے آدمی کے لیے دوبارہ اس عدالت میں پہنچنا مشکل ہے۔ سن رہا ہوں کہ نواب گورنر بہادر ہندوستان آ رہے ہیں۔ اب دیکھتا ہوں کہ اس لشکر کی گرد میری آنکھوں کا سرمہ بنتی ہے یا میری خاک اس موکبِ عالی کی جولاں گاہ۔ حضرت خدا آپ کو سلامت رکھے اس حاکم کی بے تمیزی اور ناانصافی سے میرے کام

۱۔ متن میں ''دل بہ نگارش نامہ باوی نمی وارد'' ہے۔ اغلباً یہ ''دل بہ نگارش نامہ یاری نمی وارد'' ہے۔ ترجمہ اس ہی قیاس پر کیا گیا ہے۔

میں ایسی کھنڈت پڑ گئی ہے کہ ہزار زبان سے بھی اس کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ (اس نے) کامیابی اور ناکامی سے قطعِ نظر خواص کے طعنوں اور عوام کی ہنسی کو تحریک دی ہے اور میرے دل کے خون میں ایک قیامت برپا کردی ہے۔ اس زارنالی سے مراد صرف اسقدر ہے کہ اگر خط لکھنے میں کچھ دیر ہو جائے تو بے وفائی کا الزام مجھ پر نہ آئے۔

زیادہ نیاز۔

خط (۱۸/۴۵)

اے بندہ نواز!

ایک طویل عرصہ سے آپ کے احوال سے بے خبر ہوں۔ کیا بتاؤں کہ کیسا خون میں تڑپ رہا ہوں اور کیسی جان کنی میں مبتلا ہوں۔ میں خود ایسے اندھیرے سے دوچار ہوں کہ فرطِ سراسیمگی سے دن رات کی اور ہاتھ پیر کی سدھ بدھ نہیں ہے۔ اپنے حال پر توجہ دینے کی فرصت کہاں اور خضاب(۱) لگانے کا دھیان کسے۔

میں جانتا ہوں کہ محمد مرزا کے واقعے سے آپ رنجیدہ اور حالات کی ناسازی سے اپنی ادھیڑ بن میں لگے ہیں۔ خدا آپ کو شاد اور قیدِ غم سے آزاد رکھے۔ ان دنوں اخبار سے معلوم ہوا ہے کہ کلکتہ کی فضا وبائی ہوا کا میدان ہے۔ سخت پریشان ہو گیا ہوں۔ خدا کے واسطے اس انتشارِ خاطر اور افسردگی کے باوجود مجھ پر مہربانی فرمایئے اور

۱۔ "سیہ ساختنی" سے مفہوم خضاب لگانے ہی کا نکلتا ہے لیکن بظاہر یہ غالب کی اپنی اختراع معلوم ہوتی ہے۔ یہ کوئی مستند طرزِ اظہار نہیں۔

دو تین سطریں اپنی خیریت کی لکھ دیجئے اور حکیم صاحب کی صحت و عافیت کو (اس خط کا) ضمیمہ کیجئے اور اس کے بعد کہ یہ حالات پورے اور کامل طور سے تحریر میں آ جائیں تو اپنی خیریت کا مختصر احوال بھی درج کر دیں کہ میرا دل سو طرح سے آپ کی طرف متوجہ ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ (ترجمہ) اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

خط (۴۶/۱۹)

قبلۂ من؛

حیران ہوں کہ مجھ سے ایسا کونسا بھاری جرم سرزد ہو گیا ہے کہ میں اس ساری سزا کا مستحق ہو گیا۔ جناب عالی نے کبھی مجھے خط نہیں لکھا اور (نہ ہی) میرے فدوی ناموں کا جواب بھیجا۔ مرزا احمد بیگ خان کو کیا ہو گیا کہ تین ماہ گزر گئے اور ان کا کوئی خط نظر افروز نہیں ہوا۔ میں دہلی میں ایسے اندھیر سے دوچار کہ خدا دشمن کو نہ دکھائے ' واماندہ پڑا ہوں اور کلکتے کے مہربانوں نے مجھ سے رخِ التفات یکسر موڑ لیا ہے۔ فلاں بیگ نے کہ جن کی ذات اور احوال سے متعلق میں نے کچھ آپ کے گوش گزار کیا ہے آسمان کو اپنے موافق دیکھ کر مصالحت کا ورق لوٹ دیا ہے اور بے وفائی کا خط پڑھ لیا ہے۔ دوستی کا عہد توڑ کر میرے قتل پر کمر باندھ لی ہے۔ نمعلوم شاید کلکتے کے خاص و عام پر اس کا حکم چلتا ہے کہ سارے دوست اس کی پیروی پر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں' ان کا غیض و غضب بڑھ رہا ہے اور ان کی وفا میں کمی آ رہی ہے۔

خدا کی قسم کہ مرزا احمد بیگ خان کے خط کے نہ ملنے سے مجھے سخت رنج ہے۔ مہربانی کو

کیا ہوا اور دوستی کہاں گئی۔ اب مجھے اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ مرزا صاحب نے فلاں بیگ سے تعلق کی خاطر مجھ سے نامہ و پیام بند کر دیا ہے۔ میں نے بھی خط لکھنے سے کنارہ کرلیا ہے۔ اور آپ کو کیا کہوں کہ (آپ نے تو) پہلے دن ہی سے نامہ و پیام کی رسم نہیں بنا ہی ہے۔ مجبوراً بہ اقتضائے گمان جو آپ کی عنایات پر تھا' یہ عرضداشت خدمت میں ارسال کی۔ اگرچہ جانتا ہوں کہ اس کا جواب نہیں آئے گا لیکن (اب بھی) مجھے آپ پر آدھا گمان ہے اور (اس میں) آزمائش کی گنجائش ہے۔ زیادہ زیادہ۔

آغا صاحب نامہربان کی خدمت میں فدویانہ آداب اور فقیرانہ تسلیمات قبول ہوں۔ اس صورت میں کہ اس گنہگار کی طرف سے آداب نیاز کا قبول کرنا فلاں بیگ کی جانب سے رنجش کے امکان کا باعث نہ ہو۔ والسلام اور خاتمہ بالخیر۔

خط (۴۷/۳۰)

تعریف و توصیف و آداب و تسلیمات۔ یہ ساری تمہید غالب دہلوی کے نیاز نامے کا جواب(۱) بھیجنے کے تقاضے کی ہے۔ اگر بھیج دیا ہے تو شکر صد شکر ورنہ دوبارہ (یہی) درخواست (ہے)۔

۱۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "عبودیت نامہ" سے قبل لفظ "پاسخ" درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

بنامِ ادارۂ جامِ جہاں نما

خط (۱/۴۸)

اوراقِ جامِ جہاں نما کا چہرہ سنوارنے والوں کی نظر میں انصاف کے طالب اسد اللہ خان کی عرضداشت کا یہ مقصد رہنا چاہیے کہ یہ ننگ وجود کہ جس کا نام اسد اللہ خان ہے اور جو مرزا نوشہ کے نام سے معروف ہے اور جس کا تخلص غالبؔ ہے اور جو نصر اللہ بیگ خان (مرحوم) جاگیردار سونک سونسا کا بھتیجا ہے' اپنا حق کہ جو انگریزی سرکار کا عطیہ ہے' فیروز پور کے جاگیردار سے طلب کر رہا ہے۔ اس مقدمے کے احوال کی تحقیق و تفتیش مرکزی دفتر کے حکم کے مطابق ریزیڈنٹی دہلی کے محکمۂ والاشان میں جاری ہے اور اصل مقدمہ عالم پناہ کونسل عالیہ کی عدالت میں زیرِ سماعت ہے۔ لیکن چونکہ جاگیردار فیروز پور دولتمند ہے اور میں مفلس' خاص و عام کے گروہ کے گروہ اُس کی حمایت میں متفق و متحد ہیں۔ اس وجہ سے سارے خبر نگار ریزیڈنٹی کے دفتر میں اُس ثواب کی خاطر کہ جو انہیں میرے آزار سے ملنے کی امید ہے' میرے مقدمے کے احوال کو نامناسب عنوانات سے مذکور و مشہور کر رہے ہیں اور جامِ جہاں نما کے مطبع میں بھی بھیج رہے ہیں اور یہ خلافِ واقعہ خبریں چھپ بھی رہی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ پورے شہر سے لڑا نہیں جا سکتا اور (ساری) مخلوق کو اپنے حال سے آگاہ نہیں کیا جا سکتا۔ ستاروں بھرے آسمان اور دشمنوں سے بھری دنیا کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ مجبور اُ دشمنوں کے دبدبے سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اور مطبع کے عمائدین سے یہ چاہتا ہوں کہ بے کسوں کی حمایت پر توجہ دیں اور یہ چند سطور اوراقِ جامِ جہاں نما

میں چھاپ دیں۔ اور آیندہ جو خبر بھی کہ اس سرگشتہ و گمنام کے بارے میں دہلی سے پہنچے اس کو نظر انداز کریں اور جام جہان نما میں نہ چھاپیں۔ اور یہ درخواست ہمیشہ کے لیے ہے اور مجھے اس التماس کے قبول کیے جانے پر اصرار ہے۔

بنام شیخ ناسخ

خط (۱/۴۹)

سبحان اللہ'

میری متاع کا اس تمام ناقدری کے باوجود (کیا) کوئی خریدار ہے اور میری اس بے حیثیتی کے باوصف کیا کوئی میرا غمخوار ہے! کیا کروں کہ شکر ادا ناکردہ نہ رہ جائے۔ بے شک اس سلسلے میں بے اختیار زبان پر آتا ہے "جان تیرے اوپر قربان ہو"۔ مسابقت میں غیرت اور جان گذاری میں حوصلہ (ہی کی ضرورت ہوتی ہے)۔ وہ جان جسے جوانمرد دشمنوں پر وارنے سے دریغ نہیں کرتے اگر ایک دوست کے قدموں پر نچھاور کردی جائے (تو) ظاہر ہے کہ اس سے حق وفا کس قدر ادا ہو سکے گا۔

قبلہ اور دکھی غالب کے قبلہ گاہ' خدا آپ کو سلامت رکھے'

مکتوبِ مشکیں رقم نے مشامِ آرزو کو معطر کر دیا اور چہرۂ آبرو سے پردہ ہٹا دیا۔ جنابِ عالی کے قلم نے پرسشِ احوال کے چند پردوں کے التفات کے زمزموں سے بات کو دو مقاماتِ نشست پر ہمدمی عطا کی۔ ایک ڈگری کی رقم کی مقدار کی پرسش کے ضمن میں اور دوسرے سفرِ دکن کی رہنمائی میں۔ پوشیدہ نہ رہے کہ پچھلے فدوی نامے

میں اس ذیل میں جو بات کہی گئی تھی وہ مکمل وضاحت سے تھی۔ ورنہ مجھ جیسے انسان کے لیے کہ جو (قرض خواہوں کے) تقاضوں کی کشمکش کا عادی ہے اور (جس نے) ایک طویل مدت قرض کے اضطراب میں گزاری ہے اس ہنگامے سے دل کو کوئی تنگی اور دکھ نہیں ہوتا اور جتنے روپے کی مجھ سے عدالت میں طلبی کی جا رہی ہے' وہ اس لائق نہیں کہ میری طبیعت منغض کر سکے چونکہ پانچ ہزار سے زائد نہیں۔ زیور اور گھر کے فرنیچر کی قیمت سے پورا ہو جائے گا۔ (لیکن) جو (رقم) کہ مجھے ملنی چاہیے چالیس ہزار سے زائد اور پچاس ہزار سے کم ہے۔ لیکن مجال ہے جو کبھی اس رقم کے اجرا کی آرزو دل کے پاس بھی پھٹکی ہو میرے حال سے اسے کچھ مناسبت رہی ہو۔ لیکن ہاں اتنا مقدور ضرور ہو کہ بیٹھوں اور مٹھی مٹھی قرضخواہوں کے سرماروں اور اس بلا سے کہ جسے دنیا کہتے ہیں کنارہ کر کے قلندر بن جاؤں اور ساری دنیا میں گھومتا پھروں۔ یہ جو تھوڑی عمر میں نے ضائع کی اور شاہ اودھ کی مدح نگاری کی' اسی تمنا کی بزم کی آرائش اور اسی ہوس کے سرمایے کی دریوزہ گری میں تھی۔ چونکہ کام نہیں بنا اور میرے نغمہ نے شاہوں کے سنگین دلوں پر اثر نہیں کیا' میں نے منہ موڑ لیا اور اپنے آپ پر افسوس کیا۔ اب میں کہاں اور دکن کا سفر کہاں۔ تیس سال رنگینیوں اور شراب و نغمہ میں گزر گئے۔ اب دل میں ان چیزوں کی خواہش بھی نہیں رہی (بلکہ) اب تو قیدِ تن سے رہائی کی خواہش پیدا ہو گئی ہے۔ بس اب تو صرف یہ آرزو ہے کہ سرزمین ایران گھوموں اور شیراز کے آتشکدے دیکھوں۔ اور اگر پائے عمر کو اس عرصے میں ٹھوکر نہ لگے تو انجامِ کار نجف اشرف پہنچ جاؤں اور اس (ہستی) کا مزار دیکھوں کہ جس نے مجھے میرے اجداد کے مذہب سے نکالا اور والہانہ طور پر اپنے زمرے میں شامل کر لیا' (اور) مستانہ وار جان دوں اور فنا

کے تکیہ پر سر رکھ دوں ۔

غالب روش مردم آزاد جدا است

رفتار اسیران رہ وزاد جدا است

ماترک مراد را ارم می دانیم

واں باغچہ ضبطی شداد جد است

(ترجمہ) غالب آزاد لوگوں کا چلن اور ہوتا ہے اور راہ وزادراہ کے گرفتاروں کا رویہ الگ چیز ہے۔

ہم ترک آرزو ہی کو جنت سمجھتے ہیں ۔ جب کہ شداد کا ترتیب دادہ باغیچہ دوسری بات ہے۔

انصاف طاعت سے بڑھ کر ہے۔ سفر کا ارادہ قرض کی زنجیر کے ٹوٹے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ زنجیر ٹوٹ گئی اور یہ راستے کا پتھر ہٹ گیا تو کیا مجال ہے جو نجف کے علاوہ کسی دوسرے راستے پر چلوں اور تف مجھ پر جو اس کے علاوہ کسی کی تلاش کروں ۔ چندو لال بھلا میرا نغمہ کیا سمجھتا ہے اور میری روش کو کہاں پہنچتا ہے ۔ بوڑھا سٹھیایا ہوا' جاہل' بات کرنے کے سلیقے سے بے بہرہ۔ وہ جو فارسی میں قتیل کو استاد سمجھتا ہے' غالب کو کیا کرے گا۔ اور وہ جو اردو میں نصیر کی تعریف کرتا ہے ناسخ سے اسے کیا سروکار۔ اس کی اپنی عمراتنی سے تجاوز کر چکی ہے۔ میں جب تک اس کے پاس پہنچوں گا وہ (خود) جہنم واصل ہو چکا ہوگا۔

تمت

حصّہ دوم

مکتوبات کا فارسی متن

بنام مولوی سراج الدین احمد

(۱)

والی من و مولاے من،

یکم جمادی الثانیہ روز یکشنبہ بخُتی سعی آوارگی در زاویۂ دہلی پاے بدامن کشید۔ نازم آئین غم خواری و جان پروری نکویانے کہ دریں سفر دیدہ روشناس کف پاے آناں گشتہ کہ وطن را بہ مذاق من شوریدہ مشرب تلخ تر از غربت ساختہ است۔ باللّٰہ و اللّٰہ ثم تاللّٰہ کہ رسیدن بہ دہلی ہرگز تلافی اندوہ ہجران کلکتہ نہ کرد، تا بہ شادی چہ رسد! بحال تباہے گرفتارم کہ ہر کہ از اہل نظر مرا بہ بیند، نداند کہ ایں رہرو بمنزل رسیدہ است، بلک پندارد، دردمندیست تازہ از وطن بغربت افتادہ۔ آرے، چنینیم و چگونہ چنیں نباشد کہ مولوی سراج الدین احمد و مرزا احمد بیگ خاں و مرزا ابوالقاسم خان را از کف دادہ باشد۔ وائے بر من و روزگارِ من! طرفگی ایں کہ در عرض ایں سہ سال رسم و راہ اعیان دہلی برگشتہ و نام مہرِووفا در نہاد یاران نماندہ۔ از دوستان موافق گروہی بہ آغازِ جا خرامیدہ و

سرخوشان بزمِ انس جرعۂ فنا چشیدہ۔ گراں نمایگان و صاحبدلان درزوایاے خمول خزیدہ۔ و سفلگان و سفیہان رونقِ عرصۂ دار و گیر گردیدہ۔ حال دادگاہ از داد خواہان تباہ تر و روزہاے مردم از چشم بیوفایان سیاہ تر۔ یکی از آن جماعہ منم کہ تا رسیدہ ام ' بہر سو دویدہ ام و اثر آزرم در ہیچ طینت ندیدہ ام۔ معزول بخود مشغول و منصوب شہر آشوب۔ عجب ایں کہ آن امیدوارِ اعادۂ شوکت زائلہ است و ایں بیمناک فناے سطوت حاصلہ۔ نامۂ نامی کہ در باندہ بہ من رسیدہ بود' سطری از اخبار نہضت رایات جہاں کشاے صاحبان خسرونشان داشت۔ ہنوز آں چناں برونے کار نیامدہ۔ ہمانا کہ آں حکمِ نفاذ نیافتہ باشد۔ می خواستم عرض داشتی بداور مظلوم پرور نبشتن و بہ شما فرستادن۔ چوں ندانم سراپردۂ بارگاہش رونق افزاے کدام مرز و بوم است ' نقش ایں آرزو را در دل گداختہ ام۔ وہم حال عرض داشتی کہ از باندا فرستادہ بودم ' ندانم کہ بروچہ گزشت و مرا در دل داد رجاے چہ مقدار است۔ ناچار بہ شما درد سر می دہم کہ خدا را بیکسیہاے مرا در نظر آوردہ حال عرض داشت مرسلہ از باندا و طریق گزشتن وی بہ نظر دادر و مقدار

توجہ وی بسوے من آں چہ از انداز و ادا پدید آمدہ باشد رقم فرمایند. اگر ملفوف عنایت نامۂ مرزا صاحب بہ فرستند' آسان تر - و اگر خواہند کہ جداگانہ بہ فرستند' عنوان رافت نامہ را بطغراے ایں رقم بیارایند کہ " ایں خط بہ دہلی در حویلی نواب عبدالرحمن خاں بمطالعۂ اسد بہ رسد". خداے گانا' چوں ہرزہ رقم نامۂ من از نقوش ولولۂ شوق سادہ است' افسردہ دل از خودم ندانند' بلک ایں مکتوبی است کہ در جوش پراگندگی و آشفتگی بہ شما نبشتہ ام تا حال من بر شما مجہول نماند. پس از آں کہ خود را گرد آوردہ و نفس راست کردہ خواہم زیست' نیاز نام ہاے عاشقانۂ من آں مایہ خواہد رسید کہ دفتر دفتر کاغذ پارہ فراہم خواہد شد. والسلام خیر ختام.

(پنج آہنگ : ۱۴۵)

(۲)

والی و مولاے من'

امروز کہ ہشتمِ شوّال و روزِ آدینہ است' وقت چاشت مہربانی نامہ در رسید و صلائے شادمانی بخشید وخاطر را از غم وارہانید. چوں سرنامہ باز کردم' دیدم آں

چہ بہ چشم تصور می دیدم۔ خدائے من با من است۔ بہ بینم چہ می شود دوپہر کام کہ می گردد۔ جواب نامۂ نامی را موقوف بر انکشاف حقائق و طلبی مرزا غلام عباس خان داشتہ ام۔ پس از یک ہفتہ خواہم نوشت آں چہ باید نوشت۔ خاطر جمع دارند بندۂ خود پندارند۔ ایں چند سطر کہ بہ شما می نویسم' خاص از برائے دیدنِ شماست۔ بکس منمائید' خود بنگرید و از اندوہ من آگاہ شوید۔ نخست از ماجرائے داد خواہیٔ خویشتن گویم' تا نہفتگی ہا آشکار شود۔ سبحان اللّٰہ چہ بے تامّل از رگ کلکم فروریخت کہ از ماجرائے داد خواہیٔ خویشتن گویم! بہ حیرتم کہ چہ گویم از ماجرائے کہ خود نیز نمی دانم۔ مختصر مفید' بہ دہلی رسیدم و از حکاّم استدعائے اجرائے حکم صدر کردم۔ پدید آمد کہ ہیچ حکم از صدر نہ رسیدہ است۔ ہمانان کاغذ گم شدہ بود و بہ باد رفتہ۔ حاکم رحمت کرد و بہ صدر نبشت۔ مثنیٰ باز آمد۔ حاکم آں را دید و خط بہ شمس الدین احمد خاں نبشت و حالِ متعلّقان نصر اللّٰہ بیگ خان بازجست۔ مدعیٰ علیہ جواب فرستادہ کہ بہ موجب پروانۂ مہری جرنیل لارڈلیک بہادر پہنج ہزار روپیہ سالانہ بداں گروہ

می دہم. حاکم اصل سند برائے ملاحظہ طلبید. چون رسید، نقلش به دفتر داشت و اصل به فرستنده باز داد. نقلِ آں نقل به من عنایت شد. جواب آں ہرچه به دانش خداداد من پسندیده نمود، نوشتم و به محکمۂ فرستادم. دیگر جز ایں قدر نه دانم که حال چیست و ماجرا چه معنی دارد. فلاں بیگ به مقتضائے طمع مال کمر به کینم استوار بسته اند و در نظر خلق اعانت خواہر و کود کانش را سرمایۂ تاویل و تسویل قرارداده اند. من مردِ حق جوئے حق پرستم، راست می گویم و حق می جویم. نه عدوئے شمس الدین خاں صاحبم و نه دشمنِ خواجه حاجی و پسرانش. شمس الدین خاں برادر زن من است و خواجه حاجی پسر بارگیر جدِّ من و پسرانش از دو پشت خانه زاد و از سه پشت نمک خوارِ من. از احمد بخش خاں که برادر زن عمِّ من و برادرِ پدرِ زن من بود، دو شکایت داشتم و دارم: یکی تقلیل مقدار وجه پرورش بے وقوع جرم و گناه، دوم شمول خواجه حاجی بے ثبوت وجه استحقاق، و مجموع عرائضِ من ازیں ہر دو شکوه لبریز است. شمس الدین خاں سندی به تعداد پنج ہزار روپیه سالانه به محکمه گزرانده و مرا ہیچ ازیں معارضه پروانیست.

فلاں بیگ زراہ فتنہ انگیزی و خلاف نمائی دشنہ برگلویم راندہ و مرا ہیچ ازیں عربدہ محابانیست۔ پشت گرمیٔ من اولاً بہ امیدِ عدل و دادِ اہالی سرکار است و ثانیاً بہ اعتمادِ حق گوئی خویش۔ واللّٰہ یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید۔ کارہا بخدا سپردہ ام و از ہجوم اعدا باک ندارم۔ سر موے از تنِ ابراہیم در آتش نمرود نہ سوخت وگردِ فتوری از انبوہ سحرۂ فرعون براندامِ موسیٰ نہ نشست۔ مرا چہ ضرور است با خداے توانا بدگمان بودن و از فتنہ انگیزی اعدا ہراسان بودن!

حال جامہ گزاشتنِ کرنیل املاک صاحب پیش ازورود گرامی نامہ بہ زبان یکے از صاحبان والا شان شنودہ ام۔ براے مخدومی مرزا ابوالقاسم خاں صاحب و مشفقی آقا محمد حسین صاحب سخت غمین بودہ ام۔ خدا کند' در وصیّت نامہ امری مندرج باشد کہ براے ایں صاحبان کفایت کنند! افسوس' از حالِ مخدومی نواب مہدی علی خاں بہادر خبرم نیست! من خود ازیں سراسیمگی ہا' کہ از یمین ویسار در شکنجۂ بیم و خطرم کشیدہ اند' مجال نامہ نگاری نیافتہ ام' ونواب صاحب را کجا دماغ یاد آوردن خاکساران است۔ ہمیں دم در حالت

تحریر ایں سطور مرزا داؤد بیگ رسیدند و نامۂ مرقومۂ ۲۸ رمضان رسانیدند۔ چوں جواب آن مجموع مراتب بطریق کشف پیش از ورودش نگارش یافته است ' به پاسخِ تازه التفات نکردم۔فلاں بیگ حال مرا پرسیده اند۔ خوشاحال من که خدا را توانا و دانا میدانم و انبیا را مرسل من اللّه و حسین را بندۂ حق و طالبِ حق و برگزیدۂ حق می شناسم و یزید را ظالم و نا انصاف و فاسق می شمارم! زیاده زیاده است۔

(۳)

والی من و مولاے من'

هفت دهمِ شوّال و یازدهمِ اپریل' روز یکشنبه دمِ صبح بوقتی که باد بهاری دروزیدن و غنچه در شگفتن و گل درد میدن بود ' دل کشا نامه رسید و جیب و کنارم به گل انباشت و مسرّت و رودش مرابه سرمایۂ نشاط تونگر ساخت۔ به خدا که رسیدن ایں نامه از حوصلۂ تمناے من افزوں بود' چه خود من از سراسیمگی هرزه عنوان نامۂ به کانپور فرستاده بودم۔نه نشانِ دولت کده در نظر داشتم و نه زمان و رود شما می دانستم۔ بالجمله تامکتوب شما را

نگریستم ' صدبار بلک پیش ' بر سروچشم نهادم و جان بر فرقِ فرقدان سا ے شما نثار کردم. ہم مراز تفرقۂ رسیدن و نرسیدن نامۂ من نجات دادیدوہم مرا ازتر ذد حرکت و سکون خود وا رہانیدید. برسلامت حال شما سپاس به جا ے آوردم و خدا ے را ثنا ہا ے بے اندازه گفتم. حقًا که از خوبان روزگارید۔ سلامت باشید. انصاف بالا ے طاعت ۔ مرزا احمد بیگ خان عالم مہر و جہان وفایند۔ دو سه ماه از حال من چشم پوشیده بودند و از تحریر دست باز کشیده ۔ ہفتۂ می گزرد که دو تا نامه از آں جانب رسید. عذرِ کوته قلمیہا خواسته بودند' و حالہا به تحریر در آورده ۔ ازیں سو نیز پاسخہا رواں شده ۔ به تقریبِ اطلاع باز گفته شد. جان من ' ماجرا ایں است که مرا از آغازِ تظلّم از احمد بخش خاں دو شکایت است : یکی تقلیل مقدار وجه پرورش و دوم شمول خواجه حاجی ۔ اکنوں که کار به دادرا(۱) افتاد ' بالفرض اگر ہمه پنج ہزار روپیه وجه پرورش متعلّقان نصر اللّٰه بیگ خاں قرار خواہد یافت ' مرا خود شکوۂ شمول حاجی خواہد بود ۔ به خدا که

۱۔ صحیح لفظ 'دادار' یا 'داور' ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

فلاں بیگ در پۓ آزار من است و اعانت خواہر زادگان را دست آویزِ ستم ساختہ است !آخر روزے بود و روزگاری کہ فلاں بیگ و شوہر خواہرش ہر دو در رسالۂ نصر اللّٰہ بیگ بے چارہ نوکر بودند ۔ اینہا از سہ پشت نمک پروردۂ آبائے مننند و آں کافر غدار پس از مردن عمّ من پراگندۂ چند را کہ فلاں بیگ از آناں بود با خود گرد کردہ نقد و جنس و اسپ و فیل و خیمہ و خرگاہ عمّ مرا پاک خورد.حالا برخے براے سیرابی بیان و سختی جہت پرکن صفحۂ حال اصل مقدمہ شرح میدہم کہ جانِ من بلکہ خوش تراز جان من ' تا بہ دہلی رسیدم و از حکام مستدعی اجراے حکم صدر شدم' پدید آمد کہ نقل رپورٹ کولبرک صاحب موجود است و نشان حکم صدر در دفتر پدید نیست۔ حاکم خواہی از راہ توجہ ' خواہی موافق ضابطہ ' خواہی براے اثبات صدق و کذب دعوی من بہ صدر نبشت ۔ چوں راست گفتہ بودم ' مثنٰی از صدر رسید.حاکم خط بہ مدعیٰ علیہ نوشت ۔ مدعیٰ علیہ سندی بہ مہر جرنیل لیک صاحب مشتمل بر تعداد پنج ہزار روپیہ سالانہ فرستاد و گفت :"بہ موجب ایں سند پنج ہزار روپیہ بہ خویشان نصر اللّٰہ بیگ خاں می دہم" ۔

حاکم نقلِ آں سند به من داد واز من جواب طلبید ۔ من جواب آن سند به محکمه رسانیدم ۔ فی الحقیقة آں سند جعلی است و من جعلیت آن سند را بدلائل ثابت کرده ام۔ از آن جمله یکی اینست که نقل آن سند از دہلی تا کلکته در ہیچ کدام دفتر کده نیست ۔حالیا حالِ دادگاه اینست که حاکم در آمیزش بسته و باعتکاف نشسته است ۔ کارها درہم و حالہا برہم۔ اہل دفتر سوگند می خورند که جز پروانه ہاے ماه واری ہیچ گونه تحریر دست نزده ایم ۔ و مشاہده نیز گواه ایں معنی است ۔ حاکم کجا ' تابوے رسم و حالہا بازگویم !تا که حاکم بار می داد ' می رفتم و می نشستم ۔ چوں ذوقِ شعر وسخن داشت ' اغلب اوقات سخن ازیں عالم می رفت و مطلب ہم گفته می شد ۔ در آں روزہا موقع این راز نه بود' چه مفسد سر به شورش برنداشته بود۔ چگونه پیش از مرگ واویلا کردمی؟ ایدون که گردِفتنه بلند شد' مراچه که ہیچ کس را به داور راه نیست ۔ گویند' حاکم آں می خواہد که اگر مرانویدِ استقلال از صدر رسد' به کارہا گرایم ۔ باید دید ایں تفرقه کے برخیزد و حاکم مستقل دریں میانه که باشد ۔ ماجرائے داد خواہی غالبؔ بلاکش اینست که به سبیل

ایجاز و اختصار گفته شد۔

(۴)

جانی که الطف اجزاے آں به تحلیل رفته و کدورتی چوں دُرد از باده و خاکستر از آتش وا مانده است' اگر به پاے دوست افشانم' ترسم که پاے نازنینش رنجه گردد و اگر آمادهٔ ایں نثار نگردم' در عالم وداد شرم سارباشم' چه کنم تا حقِ محبت گزارده و سپاسِ عنایت بجا آورده باشم؟ مشاهدهٔ صفوت نامهٔ خُلَت رقم دیده را آئینه دار جلوهٔ شاهد مدعا ساخت و عالم عالم اسرار درنظر آورد: اغلب که بعدِ ارسال ایں همایوں صحیفه نامهٔ دیگر از اسداللّٰه به نظر گزشته باشد۔ سخن این است که بارگرانی دارم اگر دوش همت نه دزدند و کریمانه ایں بار گراں را کشیدن توانند' و دانم که چنین کنید' چه از کریمان روزگارید' حال آن داد کده و اوضاع اعیان آں گرامی محکمه درنظر دارم ۔ حقّا که هم چنین است که رقم کرده اید۔ اما دردمند چه کند' اگر ننالد؟ ماتم زده جز مویه چه داند و مجروح جز مرهم چه جوید؟ حالِ پرنسپ صاحب میدانم که بدیں معامله علاقه نه دارند۔ لیکن

چوں از من و کارِمن پارۂ آگاہند و در عہد حکومت خود مرا پیش نواب معلی القاب به جلالت قدر و اشاعت استحقاق ستوده اند' دوستانه مکتوبی نوشته ام ۔خدایا' ایں قدر به ظهور آید که نامۂ مرا فروگیرد و وکیل مرا بوکالت به پزیرد۔آں گاه کارہا انسب و امید ہا فراوان' خدا را سعی باید کرد۔ و ایں خود ازتنگ ظرفی من است که خود را پیش شما سفارش می کنم 'ورنه در حقیقت کارمن کارشماست ۔ و انصاف بالائے طاعت ' اگر کار خود را کار شما نمی دانستمی ' چه گونه ایں سترگ رازہا به شما می نہادم و خود را سراسر به شما می سپردم! رعایت ایں معنی باید داشت که ہر نامۂ که ازمن برسد' آنرابه خوانید و به مولانا به نمائید و از ہم بدرید و به آب و آتش افگنید۔ مطلب قدیم را به دوشی(۱) جدید پیرایه اظہار داده نزد منشی صاحب فرستاده ام ۔ آں را بنگرید و به سنجیده و به مغ کارہا وارسید۔

(پنج آہنگ : ۱۳۳)

۱۔درست "بروشِ جدید" معلوم ہوتا ہے۔اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

(۵)

قبلۂ حاجات،

دی روز کہ پانزدہم اکتوبر بود، قدسی صحیفۂ مکتوبۂ بست و نہم ستمبر با یک ورقِ آئینۂ سکندر رسید. اما در آن لفافہ اوراق اخبار را ہر چند جستم کمتر یافتم. تنہا ورق اشتہار بود، دیگر ہیچ - گفتم: "مخدوم فرستادن ورقی کافی شمردہ باشند". چوں نامہ کشودم و جادۂ سطورش بہ پائے نگاہ پیمودم، دیدم کہ مخدوم اوراق اخبار را بالا ستیعاب در لفافہ نشان می دہند و آں خود دریں لفافہ وجود ندارد. دانستم ہنگام پیچیدن نامہ نور دیدنِ تمام اوراق از یاد رفتہ باشد.بایّ حال دیدہ بہ مشاہدۂ ورق آئینہ سکندر نورانی گردید و روانی عبارتش نظارہ رابہ گوہر کشید. بیان ہائے خوش و خبرہائے دل کش. مردم ایں دیار بسکہ از نامعتمدیِ اخبار جام جہاں نماملول اند، ذوقی درست باخبار نہ دارند.بالجملہ کہ مراسعی در رواج ایں اوراق بیش از آن است کہ گفتہ آید، امّاعجالتاً بر ایں مراد خیرہ نہ تواں شد. اخوی صاحب قبلہ بطوع خاطرِ خریدار اوراق اند، بلک با من پیمانِ یک دلی بستہ سعی در رواج اخبار

دارند. مع ہذا بریں مایه کوشش قانع نیستم. وثیقه ہاے دگراں نیز خواہم فرستاد. ازحال معامله آں چه نگاشتۂ کلک تفقد طراز بود' جہلِ مرا به پیرایۂ علم آراست' اماً نگرانی بایں قدر آگہی از دل برنه خاست.

(۲)

قبلۂ من'

زمانۂ دراز گزشته ومی گزرد که به سواد گوہرین نامه دیده توتیانی نگشته. ازیں پیش آں چه به حکم نوازی نوازش کرده اید' نقشِ نگینِ ضمیر است. خاصه ہم در آں باب خار خاری دارم که محاسب خیال مدّت رسیدن پاسخ رابه پایاں برد و ہنوز رنگی ازآں بہار پدید نیست. ماجراے من اینست که از دادکدۂ ایں خلاف آباد خود را به یکسو کشیده نقش دیوارِ غم خانۂ خویش گردیده ام. شمع امیدی در بزم خیال افروخته و چشم به دادگریہاے حکام صدر دوخته دارم. چه گویم که حکام اطراف چه ہنجارہا سرکرده اند و چه شیوه ہا پیش گرفته! اگر روزگارے ہم بدیں نہج خواہد گزشت' خانمانہا غرقۂ سیلاب فنا خواہد گشت. خاصه اندریں دیار که عمائد روزگار غمازی و نمامی اختیار کرده اند و حکام گوش

رغبت بدیں مردم داده عالمے بر عرض و مال خود لرزان است۔ خستگان را مرہمِ نوازش جز به داروکدۂ صدر نشان نه داده اند‘ چه در آں بارگاه حیف و میل را روائ نیست‘ ورنه ہر سو غبارِ فتنه بلند و آتشِ بیدا د تیز است۔ امروز که ۱۲ جنوری ست‘ جامِ جہاں نما آئینه شہودِ ایں خبر گردید که دراں ناحیت وبا شائع است من که خیر خواه و دعا گوۓ دوستانم‘ چه گویم که چه قدر در اضطراب افتاده ام ۔امید آں دارم که چه زودتر به دادگریہاۓ من فرا رسید و نویدِ عافیت خودو دیگر منسبان و مخلصان خویش به فرستید‘ تاخاطرِ مشوّش را ذریعۂ تسکینی خواہد بود۔ چون بدیہی است که ملازمان از راه شفقت و تفقّد پارۂ از حال سرانجام کار ایں ستم زده نگارش خواہند فرمود‘ در استدعا ابرام نه کردم‘ تابد راز نفسی و خیره سری متّصف نبایدم شد۔ مخفی مماناد که زودی در نگارش پاسخ ایں نامه جان به مرده و آب به تشنه بخشیدنست و کورنش من به ہزار رنگ خم تسلیم به جناب مولوی صاحب قبله عرض داشتنی و سلام و شوق دیدار بصد گونه مودّت و وداد به خدمتِ آغا صاحب گزارش کردنی است ۔ فقط

(پنج آہنگ: ۱۲۹)

بر ضمیرِ منیر قبلۂ ارباب صفا پوشیده مباد که
پس از روزگاری به ورودِ نامہ شادمان گشتہ سپاس
عنایت به اندازۂ طاقت گزارده ام ' و دل را به سرمایۂ امید
محتشم ساختہ بالجملہ ناسازی مزاج مولوی صاحب
قبلہ در تاب و تبم افگنده دود از نہادِ صبر و شکیب
بر انگیختہ است۔ شما و عمّ بزرگوار شما از گران مایگان
دہر و نیکوان روزگار اید۔ یارب ' سلامت باشید و دیر به
مانید و جاوید گردید و از دہر نیکوئی ہا به بینید و
بپایہ ہاے بلند رسید۔ یاد می کنم آں مہربانی ہاے شما
که مرا به گوناگوں پرسش و نوازش نواختید و غمِ غربت و
اندوه تنہائی از دلم ربودید۔ تا از شما دور افتادم ' روے
راحت نه دیدم و بوے وفا نه شمیدم۔ خدا را ' اگرچه بدان
نیرزم که نامہ زود زود باید نوشت ' اما لطف گاه گاه دریغ
نباید داشت۔ دریں ہنگام که دل به طرفِ حضرت مولوی
صاحب نگراں و مژدۂ صحت و خوبی جویانست ' فرمان
داده اید که غالبِ مغلوب مزخرفات خود را به نظرِ اعجاز
اثر در آرد۔ جان پرورا ' کجا آں روزگاران که دست نوازش
بردوشِ کلکِ رقّاص کشیدمی و به نیروے فکر پنجۂ

ارباب فن برتافتمی۔ حالیا با خودم آویزشہا ے رنگ رنگ و قافیۂ سخن سنجی تنگ است۔ با ایں ہمہ آتشم بے دود نیست۔ ریشِ دل درخونا بہ فشانی است و ناخنِ فکر سرگرمِ جگر کاوی۔ غزلی چند کہ از تازگیٔ اندیشہ خبر می دہد٬ بتوقعِ اصلاح رقم می گردد۔

(۸)

ایں پوزش نامہ ایست از غم دیدہ اسد بہ جناب فیض مآب والیٔ ولایتِ معنی٬ مولوی سراج الدین صاحب۔ عنوانِ گزارشِ مدعا ایں کہ نگارش نامہ بہ جنبش نسیم ورود٬ جیب و کنارم را جہ(۱) گل اپناشت۔ و رنگ و نگارش پاسخ لاابالیانہ نبود۔ می خواستم کہ سرمایۂ تحریری دست بہم دہد و برق آگاہی از پردہ بدرخشد۔ ایدون٬ کہ جادۂ مدعا طلبی بپایاں رسید٬ خامہ بفرق شتافتن آغاز کرد و شوق ہنگامۂ پاسخ نگاری ساز کرد۔ فیض رسانا، نامۂ نامی شما از صحت وجود فائض الجود حضرت مولوی محمد خلیل الدین خاں

۱۔"جیب و کنارم را بہ گل انباشت" درست معلوم ہوتا ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

آگہم ساخت۔ و حقّا کہ پژوہندۂ ایں خبر و جویندۂ ایں نوید بودم۔ از من آداب زمیں بوس رسانند و عذرِ کوتہ قلمیہا از خواہند۔ امید کہ در عرضِ یک دو ہفتہ بہ خود آیم و خود را بہ ذریعۂ تحریر فرایاد خاطر عاطرِ شان دہم۔ دیگر ہمدر آں مشکین صحیفہ دعا گوے خود را مژدۂ ایمائے سر انجام خدمت استفتا دادہ اید و وثیقۂ کہ ذریعۂ استفتا تواند بود' نہ فرستادہ اید' اگرچہ خود نیز از نفرستادن آں کاغذ و وعدۂ ارسال آں در روزگار آیندہ۔ اشعار فرمودہ اید۔ بہر رنگ از منتظران ایماے سرانجام خدمتم تواں دانست ۔مرا آنچہ از گردشِ سپہر و ستارہ پیش آمد' این ست کہ بتاریخ چارم مئی کہ با یازدہم ذیقعدہ تطابق داشت 'رپوٹ مقدمۂ من بہ صدر رواں شد۔ہی 'ہی چہ رپوٹ وکو مقدمہ! رپوٹی چوں طرّہ خوباں خم اندر خم و چون حالِ دل بستگان درہم۔ از آں جا کہ در آغاز داور را بر خویش مہربان شناختہ ام' شرمم باد' اگر سخن دراز کنم و نوائے شکوہ ساز کنم۔ اگر بناے امیدم را استواری پایۂ تحریر صدر نبودی' اعیان ایں دادگاہ رخنہ در بنیانِ وجودم افگندہ بودند' و زہر ہلاہل بہ ساغرِ مرادم کردہ۔ انصاف بالاے طاعت' بایں ہمہ ناسازی زمانۂ غدّار'

مذاق تحریرِ رپوٹ آں قدرہا ناگوارہم نیست ۔ غایت ما فی الباب ایں کہ بار آوردن نہال مراد روزے چند دیر خواہد کشید۔ منت ایزد را کہ عاقبت بخیر است ۔دیگر' مدعئ ناانصاف کہ بہ کلکتہ درغیبتِ من گردِ فتنہ بر انگیختہ و طرحِ بنائے مجادلہ ریختہ است' نہ دانم چہ زبونی در کارِ خویشتن دید وچہ جواب زہرہ گداز از بارگاہ یافت کہ حالیا بہ خواہر زادگان خود نبشتہ است کہ من از فکر کار شما غافل نیستم' اماشما را باید کہ نخست رجوع بسر رشتۂ رسیڈنٹی دہلی آورید و صفحۂ چوں روے خود سیاہ کنید و بدرگاہ رسانید' تا مراسرمایۂ آویزش بہ صدر تواند بود و بس. نگارش ایں یک دو سطر محض بہ تقریب آگاہانیدن شماست والسلام ۔

(پنج آہنگ : ۱۳۴)

(۹)

دل نواز نامہ پس از عمرے رسید و عمری دیگر بخشید' تا عمر بہ اندوہ سپری شدہ را تلافی تواند کرد. اماً شاد کردن دلی کہ نہادش بہ غم سرشتہ باشد'نہ

آسان است. منم که چون نامۂ شمارسیدی مستانه از جاے بر جستمی و جہان جہان نشاط اندوختمی۔ اینک تا چشم به سواد آن صحیفه دوچار گشتۂ جہاں در نظرم' تیره و تار گشت. نخست' آنچه در نظرم جلوه کرد' خاطر آشوب خبرے بود که دل تا جگر خون ساخت یعنی از جہاں ' رفتن خواہر عزیز۔ از آن گروه نیم که چوں از دوست جدائی روے دہد' رسم و راہش از یاد برند و معاملات فراموش کنند. ایں مخدومۂ مرحومه ہمانست که تادر کلکته خبر ناسازیش رسیده بود' دلِ شما از دست رفته و سراسیمگی سراپاے خاطر را فروگرفته. در نظر دارم که مردنش بردشمنان شما چه قیامت گزشته باشد. توانا ایزد پاك شما را صبر عطا فرماید و تنومندی دل و توفیق رضا ارزانی دارد و ایں سانحه را در روزنامۂ عمر شما خاتمۂ مکاره و مقطع مصائب گرداند۔ وا رسیدم که جناب مولوی صاحب قبله بعارضۂ بواسیر رنج ہا کشیده اند' اما بفضل ایزدی راحت ازاں رحمت یافته اند. بیکس نوازیہاے آں قبلۂ نیکوان در نظر دارم' دعا گوے حضرت اویم ۔کورنش من باید رسانید و ایں بیت از جانب من عرض باید داشت ۔

گرچه دورم از بساط قرب، ہمّت دور نیست
بندهٔ شاه۔ شمائیم و ثنا خوانِ شما

آشکار شد که مخدوم مرا از علاقهٔ تازه خوشنودی نیست۔ ہر آئینه انکشاف ایں معنی صحرا صحرا غبار ملال بر خاطر ریخت۔ خدا را، دل تنگ نتواں شد و کلکته را غنیمت باید دانست۔ شهری بدیں پاکیزگی و بهارستانی بدیں خرمی در گیتی کجاست! خاك نشینیٔ آں دیار از اورنگ آرائی مرزبوم دیگر خوش تر۔ من و خدا ے من که اگر متاہّل نبودمی و طوقِ ناموس عیال بگردن نه داشتمی، دامن بر ہر چه ہست افشاندمی و خود را بداں بقعه رساندمی۔ تازیستمی، در آں مینو کده بودمی و از رنج ہواہا ے ناخوش ہندوستاں آسودمی! زہے ہواہا ے سرد و خوشا آب ہا ے گوارا! فرّخا باده ہا ے ناب و خرما ثمرہا ے پیش رس! چنانچه غالبؔ دہلوی گوید:

ہمه گر میوهٔ فردوس به خوانت باشد
غالبؔ، آں انبهٔ بنگاله فراموش مباد!

(پنج آہنگ: ۱۴۶)

عمر من و جان من'

پس از رسیدن گرامئ نامه' در بند آں بودم که پاسخ گزار شوم و ماجرائے خود را شرح دہم۔دی که پانزدہم ذی الحجه روز دو شنبه بود' خبر رسید که مجموعه مکارم اخلاق را شیرازۂ وجود از ہم گسیخت۔ خاك بدہنم ' مستر اسٹرلنگ جان بجان آفرین باز داد۔ کاش روئین گداخته در روزنۂ گوشم ریختندی و ایں خبر سامعه کوب نه رساندندی ! اکنوں امید غم خواری از که بایدم داشت و دل را به خیال گردش چشم که تسکین داد؟ رپوٹے که جناب مستر فرانسس ہاکنس بہادر در مقدمۂ ایں کشتنی و سوختنی به صدر فرستاده اند' چه گویم که چه قدرہا امید گاه و اندوه فزائے بوده است ! تکیه بر کارسازی ہائے آں چابک خرام بیدائے فنا داشتم۔ گردفتنه که مدّعی ناانصاف در ره گزرِ مقصود من برانگیخته است' چه گویم که چه مایه نظاره خراش و اندام فرسائے بوده است ! در پناه سایۂ دستِ حمایتش آسوده می زیستم۔ اکنوں از ہر دو سو فلك به کام دشمن ست۔ کو مقدمه و کدام رپوٹ !

؎ از من خستہ چہ پرسی کہ چہ حال است ترا؟
حالِ من، حالِ سگاں، ایں چہ سوال است ترا؟

خدا‌ے را، در پاسخ ایں نامۂ درنگ روا ندارید و حالہا مفصل رقم فرمائید کہ آں والا گہر را چہ روے داد و آں نونہالِ حدیقہ مرد می را کدام تند باد از پاے افگند، و پس از وی سرانجام دفتر کدہ چہ شد و جایش کہ گرفت؟ آیا ہماں سیمن، فریزر بہادر بہ سکرتری کونسل عالیہ پائے ثبات افشردند یا دیگری را بروے کار آوردند؟ دیگر آں چہ ازیں عالم بر شما پدید آمدہ باشد، کوتہ قلمی مکُنید و ہرچہ زودتر بہ نویسید. اگرچہ نامی نامہ خبر از ترقی کہ در حال خیر اشتمال مخدومی جناب مولوی خلیل الدین خاں صاحب پدید آمد، دادہ و درہاے فردوس بر روے تمنا کشادہ است، اما بہ خدا کہ سرو برگ آنم نیست کہ لفظی بہ لفظی بہ پیوندم و گلدستۂ تہنیتی فرابندم. والسّلام و ہوخیر الکلام.

(پنج آہنگ : ۱۳۹)

قبلۂ من،

بارہا بہ خاطر می گزرد کہ مگر مولانا سراج الدین احمد بہ کلکتہ رفتند، ورنہ ایں قدر از من بیگانہ گشتن و در عرض ایں‌ما یہ مدّت بہ نامہ(۱) نیاوردن چہ امکان داشت.باز می گویم کہ اگر در واقع چنین است، چہ بود کہ مرا آگہی ندادند؟ گاہے بدل می خلد کہ رعایت خاطر احباب فرمودہ اند و از من و حال من قطع نظر نمودہ ۔ من و خدا کہ دل دریں معرکہ می ایستد و خاطر ایں اندیشہ فتوی نمی دہد! متانت طبع و استقامت ضمیر و استواری عہد و صدق دعویٰ شما مرا ازیں وسوسہ باز می دارد۔ بالجملہ حیرت زدۂ اوضاع روزگارستم و کُشتۂ گردش لیل و نہار۔ عرض داشت موسومہ جناب مستطاب مولانا حضرت مولوی عبدالکریم صاحب در نورد نامۂ موسومۂ شما بہ شما فرستادم ۔ امید آنم بود کہ جوابے دل نواز ترازنسیم بہار خواہد رسید و طبع را خرّمی خواہدبخشید آنہم نہ شد میّسر و سودائے خام شد۔

۱۔ لفظ "نامہ" کے بعد متن میں "یاد" رہ گیا ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

قطع نظر از کامیابی و ناکامی خویش حیرانِ بیربطی اوضاع دہرم و ہیچ نمی (۱) مہمم کہ قاعدہ ہا چرا برگشت و رسم ہا ازچہ واژگون شد۔ از دو ماہ می شنوم کہ مارٹن صاحب رسیڈنٹ حیدرآباد بہ رسیڈنٹی دہلی نامزد شدند و در دہلی ہنوز گردے از مقدمش پدید نیست ۔ عماید قوم حکام نیز خبر ندارند کہ آں صاحب مجہول الحال کجا ست' و در آمدنش د رنگ چراست ۔ دیگر خبر ندارم کہ بعد مردن مسٹر استرلنگ بر دفتر خانہ چہ گزشت ۔ ایں قدر منقح شدہ است کہ ہنوز سیمن فریزر بہادر کار سکرتری می کنند و بس۔ خبر است کہ جناب نواب گورنر جنرل بہادر در ماہ اکتوبر بہ ہندوستان می آیند۔ سال گزشتہ رست خیز عجبے در اشخاصِ عملہ و منتسبان دفتر دیدہ ام ۔ بلک ہمدران ہنگامہ من ہم زورق بطوفان بلا افگندہ ام ۔ ہنوز خبر مقدم جناب نواب معلیٰ القاب باورم نمی آید۔ کاش در زمرۂ داد خواہان محسوب نبود می' تا فارغ ازیں کشاکش زیستمی و خوش و ناخوش را یک دست دانستمی ۔ چہ کنم کہ دل از عربدہ تنگ

۱۔ درست "ہیچ نمی فہم" معلوم ہوتا ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

است و دستم زیر سنگ ۔ از جملۂ اخبار وحشت انگیز
یکے ایں است کہ بعض ثقات می گویند کہ جناب نواب
گورنر بہادر پریوٹ کونسلی قرار دادہ اند و رام موہن رائے
یکی از اجزاے آں کونسل است ۔ اگر چنین است بر حال
خودم خون باید گریست ۔ شما نیز ازیں پردہ خبری دارید ۔
ہمہ تن چشم حیرتم ' خاصہ در مقدمہ خویشتن کہ مبادی
آں بچہ رنگ استوار بود و حالیا چہ پیش آمد! گرفتم کہ
نبودنِ اسٹرلنگ بہادر طرح این نادرستی ریخت۔ آخر
مجموع صاحبان کونسل ہماں بودند کہ آغاز کارمرا
پرواز(۱) روانی دادہ اند۔ بدسعایتی کہ حاکم دہلی دربارۂ من
کرد' چرا حکم سابق را فراموش کردند؟ للّٰلہ در قائل :

ناکامی و کامیابی ما سہل است

امّا ز اداے بے روش می رنجیم

نادر تر از ہرچہ گمان کردہ شود ایں ست کہ امرے
کہ باعث تذلیل و تخریب فلاں بیگ شدہ بود' یعنی
رشوت ستانی ' حالیا در عہد کسے کہ من کشتۂ اویم ' آں
قدرہا رواج دارد و کہ بہ گفت و بیان نہ گنجد۔ حیرتم است

۱- "پروازۂ روائی" درست معلوم ہوتا ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

که نواب گورنر بهادر چرا بدیں سو توجه نمی فرمایند و خلق خدا را از چنگ ایں ظالم نجات نمی دہند ۔ دیگر داغ گرمئ ایں اتفاقم که احباب کلکته مثل نواب علی اکبر خاں و مولوی ولایت حسن صاحب ورائے رتن سنگھ سیما جناب مرزا احمد بیگ خاں از دو ماه سطرے بنام من ننوشته اند۔ حالیا چه کنم و قطع نظر اعانتِ خبر از که جویم وچه گونه دریابم که حالِ آں ناحیه چیست؟ زور من به شما می رسد و شما را نه امروز بلکه از نخستین روز صاحب دل و روشن رواں شناخته ام۔ برائے خدا و بحق مودّتی که میانۂ من و شماست' رحم آورید و اجمالاً حالها آں چه بر شما مکشوف باشد بر نگارید تا خاطرِ شکسته به تسکین گراید! والسّلام۔

(۱۲)

قبلۂ دیده و دل سلامت'

حیرتی داشتم که به مرگِ ناگاه در گزشتنِ امیر جوان دولت' جواں سال برائے چیست و کارپردازان والا کدۂ قضا و قدر ازیں سانحۂ سترگ کدام نتیجه منظور دارند: حالیا حالی شد که به سیلاب فنا دادن

بنائے امیدواریٔ غالبؔ شوریدہ بخت می خواستند' و آں صورت نمی بست' الا بہ ظہور ایں طوفان ہوش ربا۔توضیح ایں ابہام آں کہ فرمانده ایں خراب آباد کہ مسٹر فرانسس ہاکنس بہادرش نامند' با جاگیر دار فیروز پور عقدِ موافقت و مرافقت بستہ' خواست کہ مرا بہ کشتن دہند۔ رپوٹے چنانکہ خواست بہ صدر فرستاد۔ می سنجیدم کہ مرجع کار داورِ فرشتہ خوے حق شناس است۔ بچارہ گری خواہد نشست و اصلاح حال رپوٹ خواہد کرد۔ قضا را' اتفاق چناں افتاد کہ پنج روز بعد از رسیدِ رپوٹ امیدگاہ مرا اجل در رسید و چشم جہاں بینش فروبستہ شد۔ نہ دانم بر سر رپوٹ چہ آمد۔ یاد خواہد بود کہ فرو ملتمسات روز وداع بداور سپردہ آمدہ بودم و گزشتن آنرا بہ معیت رپوٹ می خواستم۔ آنہم ہم چناں مطمورہ نشین زاویۂ عدم ماند۔ چہ دانم کہ در آنجا بخت بدبامن چہ کرد! ایں جا صاحب اسٹنٹ رسیدنٹ مرا طلبید و گفت کہ مسٹر فرانسس ہاکنس صاحب بہادر رسیڈنٹ دہلی می فرمایند کہ تجویز کردیم و حکم دادیم کہ متعلّقان نصر اللّٰہ بیگ خان پنج ہزار روپیہ سالانہ موافق سند گزرانیدۂ جاگیر دار

فیروزپور، چناں چه در ماضی یافته آمده اند، در مستقبل می یافته باشند. فرورفتم و از حیرت جنون کردم که ایں بندۂ خدا چه می فرماید.ایں پنج ہزار روپیه را من خود به کونسل نشان داده و ازیں مقدار ناخوشنودی خود ظاہر ساخته طالب فیصلۂ جدید بودم ام. تجویز کونسل را چه شد و فرماندہان صدر را چه پیش آمد؟ ده ہزار روپیه مندرجۂ تحریر کرنیل مالکم صاحب که برد؟ من و خدا! اکنوں از شش جهت درِ چاره جوئی فراز و عالمی را با خویشتن ناسازی بینم. خواسته ام که عرض داشت بنام نامی نواب گورنر جنرل بهادر بخدمت سیمن فریزر بهادر به فرستم، تا ترجمۂ آں به کونسل بگذرد و صاحبان صدر حال مرادریابند. اما دریں امر عنایتی از جناب مولوی صاحب و قبله باید، تا کارروان گردد. چوں می ترسم که در آں انجمن نیز بے دردی جگر تشنۂ خون من است، امید که خدمتِ حضرت مولانا از جانب خود بعرض رسانید که اسد اللّٰه واجب الّرحم است و استعداد غلامی و خدمت گزاری دارد. علی الرغم عدوسعی در آں باید فرمود که عرض داشت وی مترجم بخط انگریزی گردیده به اجلاس کونسل بگذرد، بلک مبادی حال اور

اپارۂ بگوش صاحب سکرتر باید دمید ' تا نامرادی را بیاد آرند و خستۂ را به شناسند۔ فقط

(پنج آہنگ : ۱۳۰)

(۱۳)

قبلۂ من '

تا شنودم که به کلکته رسیدید 'خدا ے را شکر گفتم و سپاس ایزدی بجا آوردم۔ صفا ے عقیدت خودم را نازم که نرسیدن مودت نامه را بر بیگانگی و فراموشی گمان نه کرده ام و شما را معاف داشته ام۔ گزشتن داد نامۂ من به پیش گاه کونسل و طلب شدن اصل سند گزرانیدۂ جاگیر دار فیروز پور یا دیگر حالات بر ضمیر منیر پرتوِ اعلان افگنده باشد بلکه رسیدن آں سند و اندازۂ تجویز داد گران نیز پیش از رسیدن ایں نامه به لمعۂ نگاه ملا زمان سامی فروغ آگین بوده باشد۔ از ادراك انتهاض نواب گورنر بهادر بتاریخ یازدہم اکتوبر به هندوستان و خرامیدن پرنسپ صاحب به صیغۂ سکرتری به رکاب نصرت انتساب حیرتے چند روداده است که سر انگشت توجه ملازمان کشایش ایں عقده ہا پردازد۔ نخست ایں که

به تواتر پرتو ایں خبر به نگاه کافهٔ انام نور آگین شد که دفتر خانهٔ فارسی با دفتر انگریزی توام گردید و خداوندی ایں ہر دو کده به مسٹر سونٹین بہادر قرار یافت۔ دریں صورت جناب سیمن فریزر بہادر را چه پیش آمد و وجودِ با جودش رونق کدامین بارگاه شد۔ دیگر ایں که یکے از صاحبان والاشان می گفت که کرنل املاك صاحب از جہاں رفت۔ واے بر حال مرزا ابوالقاسم خاں و آغا محمد حسین! بیش از ہمه واے به روزگار من که در کلکته فلاں بیگ به آتش افروزی سرگرم و من دریں دیار، بے فرمانروا سر به سنگ میزنم و جان بناکامی میدہم! کس فغانِ مرا می نشنود، چه گویم که از بخت خود چه قدر گله مندم و از ہجوم اندوه چه مایه نژندم! خلقے سرِ آزار من دارد و عالمے تشنهٔ خوں من است۔ خدا را، اگر به کانپور رسیده و به عشرت کدهٔ خویش آرمیده اید، حال کلکته مفصل برنگارید !والسلام

(۱۴)

قبلهٔ من،

رسیدن دل کشا نامه روان را به نویدِ تازگی

بنواخت و درون را بنورِ آگاہی بر افروحت۔ دانستم که بیکس نیم و کسے دارم۔ یارب سلامت باشید و جاوید به مانید! از جانبِ ملازمان و بے رونقئ کارخانه ہا گونه ملالی به خاطر راہ یافت۔ ایزدبخشایش گر شما را که از نیکوان روزگارید' به پایه ہائے بلند رساند و در ہر گونه انقلاب که روے دہد' به ترقئ تازه فائز گرداند! امید که ملازمان خوش و ناخوش دہر را وقعی نہادہ' روئے با خلق و دل با خدا دارند۔ من و خدا که ہرگاہ بنظر بر کثرت مصارفِ جناب و حالات زمانه می افتد' دل براے شما می سوزد۔ خاصه وقتے که ہرج و مرج این سفر که شما کردہ اید' به نظر می سنجم۔ اما خداے را شکر می کنم که ہم عنانِ عافیت به آرامیش کدہ رسیدند و رنج راہ به سر آمد۔ دیگر حالات مندرجۂ عنایت نامه سر به سر خاطر نشان شد۔ دربارۂ خویشم گمان آنست که محروم نباشم و بد اد رسم' چه طالبِ ظہور حقِ حقیقی ام و دیگر ہیچ۔ ہر قدر تحقیقات میرود' ملایمِ مقصود و موافق تمناے من است۔ به خاطر خواہد بود که در آغازِ کار دفتر سرکار را گواہ گرفته ام' و حکام صدر چٹھئ جناب مالکم صاحب بہادر را بسر رشتۂ رسیڈنٹی دہلی

فرستاده اند و مقدار وجهِ پرورش مرا حواله بر آں تحریر داشته اند۔ ہر آئینه دانسته میشود که چوں صاحبان صدر سند مرسلۂ مدعی علیه را نزد مالکم صاحب بہادر فرستاده اند' چٹھی مذکور را نیز به معیّت آں سند فرستاده باشند۔ و ہر گاه حال چنیں است' مژده مرا که داغم به مرہم و دردم بدرمان رسید۔دریں جا مشہور است که مالکم صاحب بہادر به ولایت رفتند۔ہمانا ہنوز رفته باشند۔ آں چه از جانب قبله و کعبه مرزا احمد بیگ صاحب مرقوم بود' آویزۂ گوش ہوش گردید۔ جناب عالی' حال ازمن نه پرسیدن و حکم موافق دعویٰ مرزا صاحب دادن مقدمه از یک جانب تجویز کردن است ۔ و ایں معنی منافی قانون محبت است ۔نخست آں عرض کنم که مرزا صاحب را چه قدر می خواہم و چه می فہمم' و پس از آں منشاء شکسته دلی خویش شرح دہم۔ خدا ے من بہتر می داند و مرا به عظمت و جلال او تعالیٰ شانه' سوگند است که من بے تصنّع و بے تکلّف مرزا احمد بیگ خاں را مثل نصر اللّٰه بیگ خاں ازآباے خود می شمارم و ہرگز پیش میرزا درمیانۂ خود و حامد علی فرق نمی کنم و ہرگز امرے که موجب توہم خاطر باشد' ازجانب

مرزا صاحب پیرامون خیالم نگردیده. ایں قدر دانسته ام که ہر گاه من به کلکته نیستم' در غیبت من فلاں بیگ به خلوت و انجمن مطابق مقصود خویش سخنہا گفته باشد' و گایندهٔ خواہرِ خویش یعنی حاجی فلاں را درمیانهٔ احباب به بہاے گراں فروخته باشد و او را در نظرِ مردم به گراں مانیگی ستوده باشد. و مرزا صاحب حکایت ہاے بے اصل اورا باور داشته' اگر ہیچ نه باشد' ایں قدر خود گمان کرده اند که خواجه حاجی فلاں استحقاقی دارد و اسد اللّٰه حیف می کند و می خواہد که حق به پوشد و در اتلاف حقوق کوشد. حال آں که واللّٰه باللّٰه ثم تاللّٰه چنیں نیست' بلک حق ایں است که حالِ حاجی فلاں و فلاں بیگ سراسر نه گفته ام و مصلحت مرا از گفتن ایں افسانه ہا باز داشته است' ورنه حاجی فلاں به خاندان نصر اللّٰه بیگ آں کرده است که یزید به آلِ رسول. تنہا من نمی گویم عالمے گواه ایں دعویٰ است. از دہلی تا اکبر آباد صد ہزار کس دریں جز و زماں موجوداند که می دانند آں چه که من می گویم. قصهٔ مختصر' با ایں ہمه گمانہا که از جانب فلاں بیگ داشتم' دلم ازمرزا صاحب نه رمیده بود. اما چوں آں

فلاں بیگ رشوتے[۱] از خواہر زادگان خود برائے خویشتن نویسانید و در کونسل غبارِ فتنہ بر انگیخت و مرا ایں معنی دریں دیار از خارج کشوف شد' گفتم چہ امکان دارد کہ مرزا صاحب بدیں معاملات عالم نباشد و باوجود علم چرا آگہم نکردند۔ سخت ناامید وار شدم و گفتم:

؎ دل بر جفا نہم کہ بجز صبر چارہ نیست
اکنوں کہ دوست جانبِ دشمن گرفتہ است

للّٰہ الحمد' مرد صادق القولم و دلم با زبان در ہر گفتار موافق است۔ ہم پایۂ محبت و ولائے خود را با میرزا صاحب آں چہ بودہ است راست عرض کردہ و ہم شکوہ کہ در ضمیر داشتم باگمانی کہ بودبے کم و کاست شرح دادم۔ حالیا اگر بہ کیشِ مہر ووفا بزہ کار و مجرم باشم تعزیرے و اگر شائستۂ رحمتی برایم نوید عفو تقصیری۔ حال من سراسر بہ خدمت مرزا صاحب گزاردہ عرض می تواں کرد کہ واللّٰہ شما را عمّ حقیقی و بزرگ معنوی خویشتن میدانم' وگلۂ من از دیر رسیٔ نامہ نیست' بلکہ آشفتۂ آں خیال و فرورفتہ آں گمانم۔ و بخدا کہ ہرگاہ در

۱۔ یہ لفظ غور طلب ہے۔ سیاق و سباق "سفارش" کے مفہوم کا متقاضی ہے۔ اردو ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

نفس۔ شکایت نظر خواہند فرمود یک دلی و صاف باطنی و پاک طینتیٔ من بیشتر از بیشتر جلوه گر خواہد شد۔ زیاده نیاز

(پنج آہنگ : ۱۳۳)

(۱۵)

سر تا پائے من فدائے سر تا پاے شما باد'

روزہاست که دل نواز نامہا نمی رسد و مرا شکسته دل دارد۔ بارے نواب ہمایوں القاب بدیں بقعه رسید و مرا از شکنجۂ فرماندہا ن دگر وا رہانید۔ تفصیل ایں ماجرا در نامۂ موسومۂ احمد بیگ خاں صاحب که در آں نورد نیز روئے سخن به طرف شماست ' نگارش رفته۔ غالب که حالی راے عالی شده باشد۔ اما آں چه نبشته شده است ' ژاژ است و آں چه نبشته می شود' رازست۔ آں چه رقم گشته است ' اخبار است ' و آں چه رقم می گردد ' استخبار۔ پیداست که کار افتاد آسیمه سر به اخبار نه شکیبد وہمه در استخبار آویزد۔ التفات نواب جہانیان مآب خبر از توجه اعیان کونسل می داد۔ ہمانا که اگر حق من به کونسل عالیه ثابت نبودے ' جزو اعظم کونسل به

سویم از مهر نه دیدی و بحال زارم این مایه نه پرداختی۔ خدا را' سعی در آن فرمایند که رازها دریابند و مرا بیاگاهانند۔ آخر ترتیبِ کاغذ و روانگی آن به لشکر از آن عالم نیست که بر متنفّس پوشیده تواند بود۔ شنیده می شود که لشکر به جے پور نه خواهد رفت و یک دست به اجمیر خواهد شتافت۔ صافترك این که گویند گورنر بنبئ در آن جا می رسد و این دو تا بنده اخترِ سپهر جهان داری در آنجا قرآن گردیده قوانین مجوزۂ جدیده را به امعان نظر خواهند دید و باتفاق همدیگر اجرای آن بندوبست خواهند فرمود.

(۱۲)

سلامت باشید و دیر به مانید'

محسن من اگر به ازای هر عنایت محمدتی به تقدیم رسد و فراخور هر مهربانی سپاسی سرانجام داده آید' سخن هیچ گاه منقطع نه!(۱) نشود و مآرب دیگر را گنجایش اظهار نماند. لاجرم این گفت گو را از کام و زبان

۱۔ متن میں "منقطع نه‌شود" ہے جبکہ درست "منقطع نه‌شود" ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

بدل و جان سپرده ام، وخود را از شما دانسته ام۔ عمرِ من و
جان من، به عمر خود و جانِ شما که مقصود من ازیں ناله
فرسائ و عربده آرائی ظہور۔ حقِ حقیقی است، نه گرد
آوردن زخارف دنیوی ۔ انصاف بالائے طاعت، وثیقۂ از
جیبِ قبا بر نیاورده ام و دست آویزی شاملِ دادنامه به
کونسل نه گزرانیده ام ۔ حالا برآں سرم که اگر حکام چشم
از حق به پوشند، گدایانه بداں در رسم و درد دل بداں
زمزمه فرو ریزم که مرغان ہوا و ماہیان دریار را بر خود
بگریانم ۔ انموذجے از خبرہائے ہرزه بطریق تفنّن رقم
می گردد که نوابِ معلی القاب کواغذمقدمۂ مرا از
سررشتۂ رسیڈنٹی با خود برده کواغذی را که در سررشتۂ
صدر فراہم بوده است ہم ازاں سر رشته طلب کرده اند ۔
فرموده بودند که بعد از رسیدن کواغذ از کلکته و ترتیب
مثل حکمی مناسب داده نقل آں حکم که از سررشتۂ
خاص به داد خواه فرستاده خواہد شد و ظہور ایں ہمه
مراتب بتاریخ دہم دسمبر بوده است ۔ تا امروز که پانزدہم
مارچ است، رنگے ازیں پرده نه دمیده است که بیرون تواں
داد وخبرے از لشکر نه رسیده است که باز تواں گفت۔
یارانی که در لشکر اند ایں قدر ہم نه کرده اند که خبر

رسیدن کو اغذ و ترتیب مثل دادندی ' چه جاے آں که مژدهٔ قبول و نوید توقع فرستادندی۔ اخبار پراگندهٔ ایں مرزبوم آں که بارلس بهادر سپه سالار به دہلی رسید و بیرون کشمیری دروازه بمیدانی که خیمه گاه نواب گورنر بهادر شده بود ' فرود آمد و دہم مارچ روز شنبه ایں سه کس به ملازمت شاه دہلی رفتند۔ بارلس بهادر سپه سالار ممدوح و مایم مارٹین بهادر رسیڈنٹ دہلی و ولیم فریزر بهادر کمشنر دہلی۔ از آں جمله سپه سالار به عطاے خلعت و ماہی مراتب و نوبت وغیره لوازم سپه سالاری مباہے شد' و محتشم الدوله سیف الملوک خان عالم خان بهادرسپه سالار سراڈوارڈ بارلس بهادر شجاعت جنگ خطاب یافت ۔ و فرداے آں که یک شنبه بود ' به میرٹھ رفت ۔ دیگر ولیم مایم مارٹین بهادر خلعت شش پارچه و عطرو پان به طریق رخصت یافت و پدرود شد۔ دیروز یکشنبه وقت شام در ڈاک پالکی نشست و به اندور خرامید۔ گویند به اجنٹی اندور مامور گشته۔

دیگر ولیم فریزر بهادر صاحب کمشنر دہلی به عطاے خلعت مفتخر و به خطاب مدبر الدوله انتظام الملک صفوت یار خاں ولیم فریزر بهادر

صلابت جنگ مخاطب شد۔ گویند رسیڈنٹی دہلی به کمشنری دہلی مفوض گردید۔ اکنوں ایں دو کارہم بدیں یک صاحب عالی شان تعلق دارد۔عمله رسیڈنٹی بدستور است۔ تخفیف و تفریق تا دم تحریر به میان نیامده۔ شهرت دارد که تعلق راجه ہا به صاحبے قرار یافت که در اجمیراست ' آں ہم به روشے که شنوندگان در آں امر فرو مانندند۔ یعنی مہاراجه را متعلق به اجمیر نشان می دہند و از باقی ماندگان برخے را به دہلی نام می برند و جماعت آنانند که مردم در حال شان مترو دانند' نه متعلق به دہلی می دانند و به بجانب اجمیر می رانند۔ دیگر خبر است که نواب عالی جناب بتاریخ چہاردہم مارچ در متھرا رسیده امروز پانزدہم مارچ ہمدران بقعه آرمیده اند' و فردا که شانزدہم مارچ است کوچ می کنند و منزل به منزل می خرامند' و بتاریخ بست و چہارم مارچ به دہلی می رسند۔ نه دانم ازیں باز آمدن مقصود چیست گویند دریں وہله به شاه دہلی خواہند پیوست و غبار ملال طرفین فروخواہد نشست۔ دیگر گویند که نواب عالی جناب دو سه روز به دہلی قیام خواہند ورزید و به داد بے انتظامی ملک خواہند رسید وبناہاے تازه خواہند

نہاد و حکم ہاے مناسب خواہند داد و قاعدہ ہائے جدید برائے راجستان قرار خواہد یافت و جاگیرداران عہد جرنیل لارڈلیک بہادر بہ شکنجۂ محاسبہ کشیدہ خواہند شد. باشد کہ دریں میانہ خونِ خوابیدۂ من نیز بیدار گردد و کارِ داد خواہی من بہ ہنجار گردد.

(۱۷)

نیم جانی کہ دارم فداے سراپاے شما باد'

دو تا نامہ در ڈاک پٹنے ہم فرستادم. در نخستین ورق بناے تدبیری نہادہ دردومین صحیفہ آں اساس را استواری دادہ ام. چوں کارہا بہ شما سپردہ ام و چارہ را از من تواناتر و کاررا از من داناتر اید' ژاژچہ خایم و ہرزہ چہ سرایم ؟ یارب' رائے کہ من زدہ ام و سررشتہ کہ من تافتہ ام' خرد روشن و اندیشۂ درست شما نیز آں را بہ خجستگی بہ پذیرد. جنابِ من' امروز آدینہ سیزدہم اپریل است فرصت نامہ فرسائی و انصراف کاغذ و روشنائی و مہلت انشا آرائی بہ خود یافتہ ام کہ بہ تحریرِ سخن صفحہ پرکن سرقلم را بہ درد می آرم و روئے صفحہ را سیاہ میِ کنم .مخفی مباد کہ نواب معلی القاب بتاریخ

۲۶ مارچ دریں دیار رسیده درونِ شہر به کوٹھی رسیڈنٹی فرود آمده اند' و بعد دو روز لشکر و بازار لشکر را رشتۂ جمعیت ازہم گسسته' مردم را رخصتِ انصراف داده اند. مولوی محسن صاحب دو شبانه روزغم کدۂ راقم را آرامشگاه داشته' کاشانۂ درخورِ گنجائے خویش به جوارِ کوٹھی رسیڈنٹی به کرایه گرفته اند و در آں جا فرود آمده اند .حال من ایں که از اہل دفتر پدید آمد که پرنسپ صاحب بہادر حسب الحکم حضور کاغذ مقدمۂ غالبؔ مستہام بر یک دیگر اندوخت و شیرازۂ جمعیت بست ۔ امآ ہنوز آں اوراق گلدستۂ طاقِ فراموشی است .

(۱۸)

قبلۂ حاجات و کعبۂ متمنّیات سلامت'

والا نامه رسید و خبرِ فراق دائمئ مرزا احمد رسانید. سبحان اللّٰه' چه مایه سنگین دل و سخت جانم که نامه در تعزیت مرزا احمد انشا می کنم و اجزاے وجودم از ہم نمی ریزد. می گفت که به دہلی می آیم. وعده فراموش' بے مروّت راه گرداند و ناقه بسر منزل دیگر راند. گرفتم' خاطرِ دوستان عزیز نه داشت. چرا به خورد

سالان خود نه پرداخت و سایه از سرشان باز گرفت؟ وائے بے یاریٔ یارانِ وے! دریغا بے پدریٔ پسران وے! ہر چند از مرگ نتوان نالید و گسستنِ تار وپودِ و پردۂ ہستی را چاره نتوان کرد' اما انصاف بالائے طاعت' ہنوز ہنگام مردن مرزا احمد بیگ مغفور نبود. چرا ایں قدر صبر نه کرد که به کلکته رسیدمی ورونے نظاره فروزش را دگر بار دیدمی. چرا آں مایه توقف نورزید که حامد علی جوان گشتی و کارہا به اندازۂ دانش وے رواں گشتی؟ ویحک' ایں چه ژاژ است که می خایم و ایں چه داستانست که می سرایم!" اذاجاء اجلہم لایستاخرون ساعۃً ولا یستقدمون" من و ایمانِ من که بے ربطیٔ اوضاع سرکار آں مرحوم باوجود ایں ہمه بعدِ مسافت پیش نظر دارم و می نگرم که حامد علی خاں خردسال است و باشد که به حقیقت سرمایۂ پدر دانا و به فراہم آوردنِ رقم ہائے پراگنده توانا نباشد. و باشد که چوں آن سرمایه به چنگ آردبر فرودستان خودستم کند و برادران را ناکام وضائع گزارد. ہر آئینه در ایں حال امینی باید ہوش مند و حق شناس که گردچاره برآید و غم خواری بے پدر ماندگان به عہدۂ خود فراگیرد و به ہنجار عدل و امانت در ایں

وادی گام زند و ہیچ کس از احباب متکفل ایں مجموع مراتب نہ تواند گردید الّا آں کہ بہ میرزازی مرحوم از خویشاوندان و یگانگان باشد۔ گمان دارم کہ منشی امیر صاحب از بہر تعہّد و تکفّل سزاواراند' چہ با مادرِ حامد علی خاں گونہ قرابت سببی دارند۔ چنانچہ بر شما پوشیدہ نیست' میرزازی مرحوم دانش مند و کارشناس کسے بودہ است۔ غالب کہ معتمدی را وصی ساختہ و کارہا بہ کفِ کفایت امینی سپردہ باشد۔ خدا را نظر بے کسئ ایں جماعت در نظر باید داشت و غافل نباید بود واللہ کہ غم خواری باز ماندگان احمد بیگ خاں عینِ فرض و فرض عین است ہم بر شما وہم بر مرزا ابوالقاسم خاں۔ ایزدِ توانا بوالدۂ حامد علی خاں را شفا کرامت فرماید و بر سر پسران بے پدر سلامت داردابہ حکیم قاسم خان وخواہران مرزا احمد بیگ خاں چار و ناچار خبر فرستادہ شد۔در صورتِ بیماری کدام رسم عیادت بجاے آوردہ اند کہ دریں حال مدارج تعزیت بہ تقدیم خواہند رسانید۔ حقاً کہ مہر و آزرم در نہاد مردم دہلی نیست نامۂ کہ مشعر ناسازی مزاج میرزا بہ من فرستادہ بودند' جوابش رقم کردم و خود نزدِ حکیم صادق علی خاں رفتم

و نامۂ موسومۂ شما سپردم و گفتم که چوں شما نامۂ به میرزا بفرستید ' ایں نامه را ہمدراں نامه فروپیچیده رواں کنید۔پس از روزے چند عند الاستفسار پدید آمد که حکیم صاحب به خواہر میرزا حالِ بیماری میرزا ہم نه گفته اند تا به پرسش و عیادت چه رسد و چوں خود نامۂ به میرزا نه فرستاده اند' مکتوب مفوّضۂ شما را که بنام سامی شما بود که می پرسد۔ به خوں تپیده و از بیم ایں که شما ایں روسیاه را کوته قلم و بے پروا خواہید نگاشت بر خود لرزیده' می خواستم که ورقی دیگر چوں روے خود سیاه کنم و جداگانه به شما بفرستم که ناگاه بتاریخ یازدہم شوّال روز پنجشنبه وقت صبح که از بستر خواب بدرجسته ہم چناں روے ناشسته نشسته بودم ' برید ڈاك رسید و نامۂ شما به من داد۔دلم ازہیبت ورود آں نامه خود بخود به لرزید ۔ گویا در ضمیرم افگندند که میرزا احمد مرد۔ ترسان ترسان نامه را کشودم و دیدم آں چه دانسته بودم ۔ اللّٰه بس ' ماسواہوس ! بسامے خدمت مرزا ابوالقاسم صاحب سلامی که غم دیده به غم دیده رساند پیامے که ماتم زده به ماتم زده فرستد ' می تواں رسانید و کریم خاں صاحب را سلام باید گفت و از جانب من بعد

سلامِ بسیار باید پرسید۔ پس از اظہار سوز و گداز خاطر کہ آنہم از آثار بے صبری و مقتضیات بشری است' سخن در حالِ روزگار رانده می شود۔ بعد از شرح غم مرگ افسانۂ اندوه زندگی گفته می شود۔ سبحان اللّٰه' عمر مستعجل و مرگ در کمین و فرصت موہوم و بقا اندك و دل پر از ہوس و سر پر از ہوا و ما از اجل غافل! اللّٰه اللّٰه اللّٰه! محرره پانزدہم مارچ روز پنجشنبه۔

(پنج آہنگ: ۱۴۰)

(۱۹)

جانِ من فدائے شما'

از شما آں می خواہم که حال حامد علی خاں و دیگر فرزندان مرزا احمد بیگ مغفور رقم کنید۔ حامد علی خاں نامۂ بمن فرستاده است که جز ناله و فریاد ہیچ گونه حال خود و والدۂ خود ننگاشته۔ و طرفه ایں که مرا به خاں صاحب مخدوم و مظہرِ اشفاق یاد آورده و القابے که مرزا می نگاشت به تحریر در آورده۔ ہیہات! ع" عرفی' چه نشستۂ که یاران رفتند"۔ بجانِ عزیزت که دنیا بر دلم

سردو دلم بر فقیر(۱) و سیاحت گرم گشته است۔ به کمین آنم که چوں ایں داوری قطع گردد، یک باره از بندجهم و بے سروپا گردِ عالم بر آیم و تازیم تماشائے آثارِ صنع الٰہی باشم۔

ہر لحظه دل به سوے بیاباں کشد مرا
آب و ہواے شہر بمن سازگار نیست

اللّٰہ موجود، ماسوا معدوم!

(۲۰)

ملاذا مطاعا،

روز شانزدہم بود از ماہ مئی ووقت برافروختن شمع و چراغ که چپراسئ رسید و نامهٔ اجنٹ بہادر بمن داد۔ چوں به میزانِ نظر سنجیدم، گراں ترازاں بود که آں را شاہنامه تواں گفت۔ بارے عنوانش ازہم کشودم و دیدم که نامهٔ جناب ولیم بہادر در نورد آنست۔ مضمونِ نامه اجنٹ بہادر ایں که خط صاحب سکرتر بہادر ہمراہی حضور میرسد، شارح کیفیت انفصال مقدمه خواہد گردید۔ مضمون خط صاحب سکرتر بہادر ایں که تجویز ہاکنس

۱۔ "دلم بر سیر و سیاحت گرم گشته است" درست معلوم ہوتا ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

صاحب منظور: مہر و دستخط کاغذ گزرانیدۂ جاگیر دار فیروزپور نا مصرح و نامکمل: للّٰلہ در قائل ۹ ع" در خاندان کسریٰ ایں عدل و داد باشد" ۔شبے کہ ایں شگرف نامہ بمن رسید' بامدادِ آں سامعہ گزا گردید کہ مولوی ظاہر علی بجرم خفیہ نویسی ماخوذ و تا زمان تجویز باداش محبوس شدہ اند۔ تا رفتہ رفتہ کار بداں رسید کہ اخبار بوقلمون گردید۔ دہلویانِ حسد پیشہ چوں مرا مخلصِ صادق الولاے مولوی دانستند' رنگ آں ریختند کہ در ہر روزے دو بار سہ بار پراگندہ گوے نزد من آید و آں چہ خواہد از پیش خود بترا شد و بیان نماید۔ بعد از دو ہفتہ پدید آمد کہ لارڈ صاحب نظر بہ ناخوشنودی خویش از خود جدا کردند و معزول ساختند و رخصت انصراف بوطن دادند۔ہم دل از اندوہ خود سوختہ و ہم جگر از درد دوست برشتہ ۔ والسلام بہ منشی نصر اللّٰہ بعد سلام باید گفت کہ انشاء اللہ العظیم' اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح نقشِ نگین شما می گردد۔

(پنج آہنگ : ۱۴۸)

قبلۂ بندہ'

عمرہاست کہ بورود دل نواز نامہ جانی تازہ نیافتہ ام۔ ندانم بکدامین جرم مردود آن نگاہ حق شناس شدہ ام۔ لطف و عتاب آئینہ داران التفات اند و بہ مذاق ارباب مودّت از ہمدگر گوار اتر۔ اما ایں کہ ملازمان نسبت بخویشتن مشاہدہ می گردد' تغافل است و متحمل جفاے تغافل نتواں شد الا بادلی چوں کوہ و من ایں عطیہ از قسام ازل نیافتہ ام۔ نہ دانستہ اید کہ بر من دریں روزگار آں چہ گزشتہ و خارِ خشکم با کدامین شعلۂ سوزاں روکش گشتہ است۔ اگرچہ شما از شنیدن فارغ اید' امّا من از گفتن فراغ ندارم ع" بشنود ور نشنود من گفتگوئے می کنم"۔ دیدۂ دیدار طلب در ہواے دیدن در پزیدن و دل بے تاب از تلواسۂ مہاجرت در تپیدن۔ شوق دیدار را چہ گویم؟ مردم دیدہ بہ پاے قلم افتد از شوق کہ مرا نقطۂ حرف کن و در نامہ نویس۔ از روزے کہ آن مہربان رونق افزاے آن صوبِ صواب شدہ اند' محروم القسمتان مواصلت را در ہاویۂ مفارقت گزاشتہ اند۔ شکرِ احسانات سامی چہ گویم' کہ ہر روز در محفل تصورم قدم رنجہ نمودہ' و

از ندامتِ خود چه نویسم 'که گاہے بہره اندوز مجلسِ خیال گرامی نبوده:

؎ شرمندۂ احسانِ توام کز سرِ الطاف
ہر روز قدم رنجه نمائی به خیالم

من عذر زِ تقصیر خود' اے خواجه' چه گویم'
گاہے به خیالت نه رسم' واے به حالم!

زیاده شوق است و بس۔

(پنج آہنگ: ۱۴۷)

بنام مرزا احمد بیگ خاں

(۲۲/۱)

دل به درد آمدگان را از ناله و فریاد منع نه تواں کرد و ماتمزدگان را از سینه کوبی باز نتواں داشت۔ مرا که دل از بے مہری شما بدرد آمده است' از ناله و فریاد چاره نیست' وچوں بدردِ تغافل جان داده' در ماتم وفا نشسته ام' سینه خواہم کوفت' اگرچه سنگ خاره نیست۔ منم که چوں دو ہفته گزشتی و کتابتی از جانب شما و مولوی سراج الدین احمد نه رسیدے' جگر به دنداں

گرفتمی و از خود رفتمی۔ ہماں شمانید و ہماں مولوی سراج الدین وہماں ایں دردمندِ اندوہ گیں۔ ششماہ است بر حاشیۂ مکتوبِ دگراں بسلامے یاد نہ کردہ اید، تا بہ نامہ و پیام چہ رسد۔ نا رسیدنِ نامہ از جانبِ من نہ از آں دوست[۱] کہ در ترک و داد پیرِ وشما بودہ باشم، ونہ از آں روست کہ من آں قدر در غم و اندوہ فرورفتہ باشم کہ یارائے نفس کشیدن و حرف زدن نہ داشتہ باشم۔ سپاس گزار خدائے دادگرم کہ بہ ایں تن لاغردلم را فربہی و تنومندی بخشیدہ است کہ اگر فی المثل دو عالم برہم خورَد، از حالِ خویش برنگردم، و بہ ایں ہمہ در وفاداری آں مایہ ثابت قدمم کہ اگر سر برود، پایم از خطِّ جادۂ مودّت نہ لغزد۔ بارے خدا را بہ گوئید کہ شما را چہ دردل گزشت و مولوی سراج الدین را چہ پیش آمد۔ مگر دانستہ بودند کہ رجوع اسداللّٰہ با من معلول آنست کہ من از اعیان دفتر کونسلم، یعنی از روزیکہ زینت بخش پیشگاہ صدر عدالت شدہ اند، گاہے نہ شدہ است کہ مرا بیاد آرند یا بنامۂ بنوازند۔ عجب تر از ہرچہ ہست آں کہ شما را چہ

۱۔ "نہ از آں روست" درست معلوم ہوتا ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

بر آں داشت که از پرسش من رو بگردانید. خوب است که فلاں بیگ زنده نیست' ورنه خونها خوردمی' ہم خود از شما رنجیدمی و ہم شما را از خود آزردمی. امّا ایں معنی تنہا برائے شما بودے و جناب مولانا سراج الدین احمد را دریں داورے بر کناره داشتمی. قطع نظر از مراتب شکر و شکایت انصاف شرط است که ہر گاه ماه ہا بگزرد و از اخبار(۱) اخبارِ شما و نور چشمانِ بے خبر باشم' چه گونه نرنجم و چساں گله مند نباشم. امروز تازه حالے به مشاہدۂ اوراقِ جامِ جہاں نما روے داده که صبر بر آں بے آبروے نتوانستم کرد. غالب که شما ہم در آں اوراق نگرسته باشید. واللہ باللّٰه ثم تاللّٰه' آں چه از حال من مسکین در آں ورق مندرج است' ہمه کِذب و بہتان و گزاف است. خواجه رحمت نام ولدالزنائے از سادھو بچه گانِ بریلی که مرد ساحرِ فتنه پرداز است' شمس الدین خاں را به افسون و افسانه رامِ خود ساخته و آں چناں در دلش فرورفته است که شمس الدین خاں را از حلقۂ فرمانش راه بِرون شد نمانده است. گویندگاں را به زرو

۱۔ متن میں ایک اخبار زائد معلوم ہوتا ہے۔

افسوں فریفتہ ہر خبری کہ می خواہد بہ اطراف میفرستد۔خلاصہ ایں کہ خطّے موسومۂ جناب رائے سدا سکھ صاحب در نوردِ ایں نامہ می رسد و ہم چناں عنوان کشادہ است' امید کہ نخست آں را خود بہ خوانند' آنگاہ بہ رائے صاحب بہ سپارند۔ ہر چہ ہست بہ خواندن مکتوب موسومہ رائے صاحب ورقعۂ کہ لفیف اوست' سمت وضوح خواہد یافت۔

حضرت اکبر شا ہ از روز رحلت فلاں بیگ بہ انواع عوارض مبتلا بود۔ پرے روز کہ چہار شنبۂ آخری صفر بود' غسل صحت کردہ اند۔ اما ناتوانند و دماغ شنیدن ملتمسات نہ دارند۔ مطلبے کہ مکنوں ضمیر حضرت مخدومی است' بہ اعتقاد بندہ ممکن الوقوع نیست۔ چہ کلید عقل سوہن لال است' و او یکے را از برادران خود می خواہد کہ بہ سفارت قرار دہد' و مدعاے خودش نیز بہ حصول نمی رسد' تا بہ گفتگوے غیر چہ رسد۔ امید کہ بخدمت مولوی سراج الدین احمد صاحب آداب تسلیم رسانند۔ و اگر ممکن باشد و دشوار نبود' دو سہ سطر بدستخط خود شان بر کاغذے نویسانیدہ در نامۂ خود فروپیچیدہ رواں کنند۔ہی ہی ' چہ می گویم ! خود از

کجا دانستم که جناب مرزا صاحب بمن نامۀ خواہند نوشت که در آں نامه مکتوب حضرت مولوی صاحب در نوردیده شود۔

(۲۳/۲)

قبلۀ من '

شکوه پایان نه داشت و گله کران پزیر نبود۔ رفتم و به روزگار در ساختم۔ تازه ایں که فرمانده دہلی مرا طلب کرد و بزبان گہر فشاں فرمود که فرماندہاں صدر قرار داده اند که متعلقاں نصر الله بیگ خاں ہمیں یابند و ہم چنیں یابند در مستقبل که در ماضی یافته اند۔ ہر چند وقوع ایں امرِ مکروه مستوجب ہزار گونه اندوه و ملال است ' اما بخدا که دلِ آزادۀ من به ہیچ سومایل نیست ' واز عدمِ حصول مقصود نه رنجیده ام لیکن غم اینم می کشد که ایں چنیں اتفاق در کونسل کم افتاده باشد که تجویز سابق را بدیں گونه برہم زنند۔ آرے فرمانده دہلی در آغاز بر من مہربان بود و آخر آخر سعادت(۱) اعدا

۱۔ سیاق وسباق سے۔ یہاں "سعایت" درست معلوم ہوتا ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

کار گر افتاد و جانب دشمن گرفت و با من سرگرداں شد. سند گزرانیدۂ عدو را برا حالی (۲) صدر به صحت و متانت جلوه داد و جوابے که من داده بودم و دو ورقه چوں نامۂ اعمال ستم گراں سیاه به محکمه رسانیده بودم، شامل رپوٹ نه فرستاد و مقدمۂ من از یک جانب به کونسل تجویز شد. رنجم ضایع گردید و کارم تباه. منّت خدائے را که نامرادی و ناکامی بر من آسان است اما برخے از خنده عوام و ملامت خواص آزار میکشم و آنهم می گزرد.

؎ در طور گرامروز ز موسٰے اثرے نیست
فرد است که از طور ہم آثار نماند

امید که پارۂ از رنج بر خود گوارا کنند و بر من شفقتے چند فرمایند. نخست ایں که مکتوب موسومۂ رائے سدا سکھ صاحب را سراسر به تامل بنگرند و به مکتوب الیه رسانند و سعی فرمایند که قطعه به قالب طبع در آید و شهرت گیرد و به زبانها افتد. دیگر نامۂ نامزدِ جناب سفارت پناہی نیز سراپا نگرسته به نظر شان

۲- "برا حالی صدر" درست معلوم ہوتا ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

بگزرانند و در طلب پاسخ چنداں ابرام نفرمایند۔ اگر بدست آید، در نوردِ عنایت نامه بفرستند۔ دیگر از آں مخدوم توقع آں دارم که لختے از حال کونسل رقم کنند۔ گویند که ولیم بیلی صاحب بولایت ومٹکف صاحب به بنبئ میروند و برائے دہلی حاکمے دیگر قرار یافته است۔ ازیں عالم ہرچه پدید آید، به فقیر برنگارند و برائے خدا در نگارش جواب نامه مساہلت نفرمایند۔ نیمهٔ محصول ڈاك بسرکاران ایں دیار داده و نیمهٔ بر آنجا حواله کرده شد۔ روزِ روانئ ایں نامه سه شنبه و دوازدہم شوال۔

(۲۴/۳)

کعبهٔ من،

فرمان شما بر جان و دلم روانست۔ بہرچه گوئید، بسر شتابم و به فرق پویم۔ امّا از شیوه ہائے مردم دہلی آگه نیستید۔ چنداں که جہد در ادراك حالات می کنم، مردم از من میرمند، بلکه از شما بدگمان می شوند و می پندارند که مرزا احمد بیگ خاں اسد اللّٰه را از جانب خود برآں گماشته اند که رفته رفته در مجموع امور دخل و تصرف کند۔ خدا را خود را بدنام و مرارسوا مکنید۔

خردمند را باید که اگر فی نفس الامر در پئے امرے باشد' خود را چناں فارغ ولا ابالی وانماید که کس از رازش آگاہ نه گردد' نه که مثلِ شما صاف دل و فارغ بال گردد. و با وصف بے طمعی و آزادی خود را در نظرِ مردم اخاذ و طمّاع قرار دہد. مدعا ایں که بریں گروه گمانِ مصادقت نکنید و جمله را از خود متوحّش و از مخلصان خود بیمناك انگارید. اگر شما را عزمِ رسیدن ایں دیار است' خوش باشید ہرگاه که خواہید آمد' برائے العین خواہید دید.

(۲۵/۴)

تنت بنازِ طبیباں نیازمند مباد
وجودِ نازکت آزردهٔ گزند مباد

قبله و کعبه'

روزے چندازیں پیش قدسی صحیفه بتوسط حکیم صادق علی خاں صاحب بمن رسید. ہنوز پاسخ نه گزارده بودم که امروز چہارم ستمبر و ندانم چندم ربیع الاوّل است' نامهٔ از نزد قبلهٔ صورت و معنی مولانا سراج الدین احمد صاحب رسید و به انکشافِ حال ناسازی

مزاج مبارك اندوه ناكم ساخت ۔چوں ہمدر آن دل کش رقیمه طرازِ حرف و رقم داشت که حالیا به حسن تدبیر قبلۂ نیکواں حضرت سید احد علی خاں پارۂ افاقتی و امید فراغتی دست بہم داد' واللہ که ہم بقدرِ آں افاقت مراہم از ہجوم الم فرصتی بوده است ۔ برائے خدا از منِ زار نظر قطع نه خواہید کرد و زود نویدِ صحت خواہید فرستاد که زیں سپس در انتظارِ و رودِ نامه روز خواہم شمرد۔ در نامۂ که حکیم صادق علی خاں بمن رسانیده اند' انقطاع علاقۂ ہوگلی و عزم انفکاكِ سررشتۂ جہانگیر نگر و ملال از کلکته و احرام دارالخلافت دہلی مرقوم بود۔ہر چند ورود ملازمان به دہلی سرمایۂ جہاں جہاں طرب است ' اما ملول بودن از کلکته چه غضب است واللّٰه که دہلی شایشتگئ آں ندارد که آزادۂ در روے خاك نشین تواند بود۔ خاص و عام ایں بقعه بے سبب آزار و مرد و زن ایں تیره بوم مردم خوار۔ بخاطر دارم که چوں ایں داورے بپایاں رسد 'به بہانه ازیں شہر برآیم و کلکته را دریابم ۔ حالے که دارم از روے عرضۂ موسومۂ جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب سمت انکشاف تواند یافت ۔

بخدمت مخدومۂ معظمہ کورنش و بہ عزیز ازجاناں دعائے طولِ عمر و افزونیٔ دولت ۔

(۲۶/۵)

قبلۂ حاجات و کعبۂ متمنیات ' مدظله العالے !

جانی که از دشمن دریغ نتواں داشت ' اگر بپاے دوست افشانده شود ' پیداست که چه مایه حقِ محبت گزارده آید. بارے بهررنگ بر سر سخن میتواں آمد و سپاسے که به اندازۂ جان و دل است ' از کام و زبان فروریخت. فیض ورود قدسی صحیفه در نظر خویشم گرامی ساخت.دانستم که اگرچه ناکسم آفریده اند' امّا بیکس نگزاشته و برگزیدگان ازل را به غم خواریٔ من گماشته.ہر چند خاطرم جمع بود که ہر گاه مرشد زادۂ والاتبار مرتضوی نہاد' نقشِ سجدۂ آستانِ قبلۂ و کعبه کونین ' حضرت مولوی کرم حسین ' از جبینم خواہد نگریست ' سرم از خاك خواہد برداشت و مرا ضائع نه خواہد گزاشت. اما انصاف بالاے طاعت ' اگر به استدعا ایں سپارش زحمت اوقات صفات نه دادمی و فی المثل صد عبودیت نامه پے ہم فرستادمی ' به پاسخ

یکے ازاں چشمم روشن نہ گشتی و خیالم یک رہ بخاطر عاطر نہ گزشتی۔ حال تقرر پنشن پیش ازیں حالیٔ ضمیر عقیدت تخمیر شدہ است۔ حیرت ایں معنی گریباں گیر دل و دامن کش خاطر فاتر است کہ ایدون قبلۂ و کعبۂ مرا در کلکتہ اقامت از چہ راہ راست(۱)' مانع نوازش اہل وطن کیست' وجہ التزامِ دوام اقامت در آں دیار چیست بارے امید از یگانہ ایزدِ جہاں آفریں آنست کہ ہر جاباشند خلقے را راہ نما وجہانی را پیشوا باشند۔

؎بر زمینے کہ نشانِ کفِ پاے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

بعد از ورود مہین داوردریں معمورہ آں چہ روے خواہد داد بطریق عرض حال بوالا خدمت مخدوم بے کس نواز گزاردہ خواہد شد۔

(۲۷/۲)

قبلۂ من'

سپاسِ ایں ہمہ مہربانی کہ پس از عمرے بیادم آوردہ اید' جز بہ سپری کردن عمرے نتواں گزارد و دانم

ا۔"از چہ راہ است" درست معلوم ہوتا ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

که از عمرم اندکی مانده است ہر آئنه آں سپاس را که از گزاردن آن قطع نظر نتوان کرد' از کام و زبان بدر می کشم و به مغزِدل و جان می افگنم تا ناگزارده نماند و بے یارئے کام وزبان ادا کرده شود. بے کساں را یاد می آورید و روسیاہاں را بنامه شاد می کنید. یارب' بسیار به مانید! دریں نامه که حالیا در بندِ نوشتنِ جواب اویم' مرقوم بود که فلانی می فرماید که به خاص از برائے اسد اللّٰه بلک از بهر فرزند خواجه حاجی خاں مرحوم سعی در برآمدنِ کار خواہم کرد. مرا خنده در گرفت و حیرت از خودم برد که قطعِ نظر از استحقاق و عدم استحقاق او' خواجه حاجی را خواجه حاجی خاں مرحوم به کدام تمسک و کدام علاقه تواں گفت. احمد بخش خاں با آں که برائے خواجه حاجی پدرے کرد و اورا از ناکسے رسانید' پیوسته خواجه حاجی به نشست و خواجه حاجی گفت. اینک مخاطب به خطاب خانی کردن ما' ناد مشابه ایں نقل است که سنیٔ متعصّب در انجمن جا داشت. ناگاه یکے از آں مجمع نامِ مبارك مرتضوی گرفت و گفت: "علیه السلام". آں متعصّب به شورید' امادم نزد و سرِ کلاوۂ سخن را بجائے رسانید که ذکر ابن ملُجمِ بمیان آمد. چوں نامش برد'

گفت : " رضی اللّٰه عنه" ۔ اہلِ بزم منغش کردند که قاتلِ علی ابن ابی طالب را رضی اللّٰه عنه مگو۔ آں متعصب روے درہم کشید و گفت : " ویحک ! ہر گاہ علی را که قاتل عثمان است ' علیه السلام گویند' اگر من نیز ابن ملجم را که کشندهٔ مرتضیٰ است ' رضی اللّٰه عنه گفته باشم ماخوذ نخواہم بود " تم کلامه ۔ آمدم به مدعا طرازی۔ نامهٔ موسومهٔ مرزّا عباس خاں رسانیده شد۔ از جانب اندرون به اندرون بندگی و از دردن و برون یعنی ہم بدل و ہم به زبان بفرزندان ارجمند دعاہا رسیده باد!

بنام مرزا ابوالقاسم خاں

(۲۸/۱)

معروض راے بیضاضیاے آں که تفقّد رقم نامه با ثمرہاے خوشگوار رسید۔ ایزد بخشایشگر بایں مسافر نوازی سلامت دارد! دی روز آغا صاحب به فقیر خانه تشریف آورده بودند۔ حالِ ناسازئ مزاج والدهٔ خویش می گفتند۔ آخر روز من ہم به امام باڑه رفتم و رسمِ عیادت بجا آوردم ۔ باللّٰه از اثرہاے محبتّی که بدان مخدوم دارم

چه شرح دہم ' که از ایں معامله چه مایه پریشان خاطرم. اگرچه دعاے ہمچو منِ سیه کار و تبه روزگار چه قدر و کدام مقدار ' اما وفورِ محبت آسوده نمی گزارد و زمزمۂ دعا از لبم می رویاند. امید که چوں ساده از آلایش ریاست ' مقبول جہاں آفرین افتد و اثرے باز دہد. صاحبِ من ' دریں ہم چنیں ہنگام که خود پژمرده و جناب خانم صاحبه دل افسرده باشند ' سعی و ابرام در بابِ رقم معلومه چه می بایست. آرے از آثارِ شیوۂ کرم است که خود دردمند بودن و بداد دردمنداں رسیدن. از دست شکسته جز دعا چه آید! سلامت باشند و دیر به مانند. زیاده زیاده.

(۲۹/۲)

به عرضِ ریزه خواران ظرفِ سماط جود و نوال میرساند که کلّه پاچه رسید و کام جان را بموج تبسم شور انگیزِ خوباں فرو غلتانید. ہم دماغ را قوّت افزود و ہم دست و پا را نیرو داد. مغزش به لطافتِ خمیر' مایۂ افزانشِ قواے نفسانی ' نی نی غلط کردم ' مادّۂ روغن چراغِ زندگانی. کیفیت روانی شور بایش رافم معده آفرین

خوان، و شمارِ لذت غلتانی کفچه هایش را امعا سبحه گردان۔ نان تا عیارِ شوکت شور بایش شناخت، در نخستین حمله از بے جگری سپر انداخت و زباں تا به سپاسِ لذت روانیش (۱) موج آب حیاتش از سرگزشت۔ بهرجلوۂ نظر فریبِ استخوانش هما مجنون و بر حسنِ برشته مغزش خرد مفتون۔ تیزی مذاقِ فلفلش چوں ادائے عتابِ خوباں گلوسوز، و صدائے شکست استخوانش مانند نغمۂ چنگ ورباب سامعه افروز۔ می خواستم سخنے دراز کردن و پس از ستائش نعمت سپاس منعم ساز کردن که ناگاه کلّه از ناز چشمک زد و زبان بر کشود و بسر خود سوگند داد که اینک قلم از کف بگزار و لطافتِ مغز قلم درياب۔ چوں خاطرش عزیز و قسمتش غلیط بود، چارۂ جز تسلیم نه دیدم۔

(۳۰/۳)

قبلۂ من،

گرچه استدعائے قدوم از بزرگان بے ادبی است، امّا

۱۔ "روانیش" کے بعد بظاہر متن میں "شناخت" کے مقابلے کا لفظ رہ گیا ہے۔ چنانچہ اردو ترجمہ "پرداخت" کے قیاس پر کیا گیا ہے۔

می بینم که خرشید برخرابه می تابد و منت ندارد. ابر برخس و خار می باردو ننگ خود نمی شمارد. بدیں پشت گرمیہا ہوس کرده می آید که امروز یک دو ساعت از روز باقی مانده به خشت کدهٔ راقم نزول اجلال فرمایند و مرزا صاحب را با خود آرند. فقط

(۳۱/۴)

مخدوم و مطاع من سلامت!

وی روز تبرّکی که فرستاده بودند رسید و در دو عالم سر فراز گردانید. صاحب نذر تا زمانِ ظهور خویشتن سلامت دارد و به اعلیٰ مراتبِ صورت و معنی رساند! زیاده جز تسلیم چه عرضه دارد.

(۳۲/۵)

مخدوم و ملاذمن'

بنده به خانه نبودم۔ چوں باز آمدم' خوانِ نعمت آماده یافتم و سپاسِ منعم آوردم۔ اللّٰه تعالیٰ بایں نوازش بسیار سلامت دارد! در امروز فردا اگر روغن بیدانجیر مرحمت گردد' خوش تر از الوان نعمائے گیتی است. زیاده نیاز.

(۳۳/۶)

قبلۂ جان و دل سلامت!

گرد سرمی گردم و جان بخاک آں کف پا می فشارم۔ سبحان اللّٰہ' جاذبۂ شوق را نازم کہ امروز بامداداں سر از خواب برداشتہ بسیج آں داشتم کہ کتابتی در شکوۂ تغافل بملازماں بنویسم۔ ہنوز آں خطرہ در ضمیر راسخ نہ شدہ بود کہ والانامہ بفریاد رسید و مرا از بند اندوہ وارہانید۔ للّٰہ الحمد کہ مزاج مبارک بہ صحت مقرون است۔ جہاں آفریں ہموارہ مسند نشین بزم عافیت دارد! بوتلِ روغنِ بیدانجیر سرمایۂ روشنئ چراغ زندگانی گردید ایزد تعالیٰ بایں خستہ نوازی و بیکس پروری سلامت دارد! امروز بسبب ہجوم ابرو باران بہ استعمال ایں روغن مبادرت نہ کردم۔ بعد یک دو روز ہرگاہ سرِ شیشہ خواہم کشود' بر مضمونِ "نصفٌ لی و نصفٌ لک" عمل خواہم نمود۔ زیادہ جز دعاے دوامِ دولت و اقبال چہ عرضہ دارد۔

(۳۴/۷)

قبلۂ جان و دل سلامت!

بامداداں کہ قطعۂ در جواب والانامہ انشا کردہ ام(۱)، آدم حضور گواہست کہ در چہ سراسیمگی بہ چہ زودے رقم زدہ ام۔ حاشا کہ جواب قطعۂ(۲) جناب را نمی ارزید۔ گویا غرض از تحریر آں قطعہ رسیدِ دال و آچار بود و دیگر ہیچ۔ امید کہ آں را بہ آب بشویند یا بہ آتش بسوزند، چہ آں را بے اعانتِ فکر بدستیارئ خامہ نگاشتہ ام۔ مبادا، سقمیٔ داشتہ باشد و بدستِ معاندین افتد۔ جناب را بسید الشہد علیہ السلام سوگند کہ آں را بیکس(۳) نہ نمایند و از ہم بہ گزرانند۔ قطعۂ کہ دریں ورق مرقوم است(۴)، جواب قطعۂ مرقومۂ آں مخدوم است۔ ہر کہ خواہد بنگرد، محابانیست۔ شبِ رفتہ من نیز مسہلی از روغنِ بیدِانجیر و نمک آب آشامیدہ بودم۔ اماً طبع را نپذیرفت و رفع قبض نہ شد۔ امروز بہ طور خود ترکیبی کہ بر فعلِ مسہل شبانہ موید باشد بہ عمل

۱۔ قطعہ غالب بہ قاسم ۲۔ قطعہ قاسم بہ غالب

۳۔ "بکسی نہ نمایند" درست معلوم ہوتا ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

۴۔ قطعہ غالب بجواب قاسم

آورده بودم۔ بخدا که اگر ایں گریوه ہا در راه نه داشتمی' قطعه را خود متاع روے دست اخلاص ساخته به ملازمت رسیدمی۔ اگر مرگ امان داد' دریں دو سه روز به سعادت پابوس رسیده خواہد شد۔

(۳۵/۸)

بعزِ التماس میرساند که پریشب جاے ملازمان در بزم طرب سبز بود۔ چوں نیامد نہاوجہی داشت ' ناچار به ہجر ساخته شد۔ ندانم تفرقهٔ خاطر که از جانب بیمار داریہا بود' به جمعیت مبدل شد یا ہنوز از آں تشاویش اثری باقیست۔ امید که نویدِ عافیتی بفرستند و آرمیدگی بخشند ۔ قبلهٔ من' ایں عرضه رقم کرده در بند آن بودم که بخدمت بفرستم که ناگاه عنایت نامهٔ جناب رسید۔ ہمانا اعجاز فرمودند۔ حقا که از نویدِ عافیت ہا مسرت فراواں اندوختم ۔ اللّٰه تعالی شما را خرّم و شاد و از ہرغم آزاد داردا و جناب مرزا محمد حسین تغافل نفرموده اند۔ مگر از رنجوریہاے پریشب به کوٹھی نرفته اند۔اگر فردا چٹھنے نه رسید' حسب الایماے جناب تقاضا به عمل خواہد آمد۔ و آداب عطاے انبه مقبول بادا۔

(۳۶/۹)

معروض میدارد که نوازش نامه مع نان خورش ہائے روان پرور ذائقہ نواز رسید و بہ سپاس نعمت تر زبان گردانید. منعمِ حقیقی اجر پرورش غربت زدگان ارزانی دارد. پارۂ از حال من این کہ بروز پنجشنبہ وقت شب ناگہاں شنیدم کہ بروز دو شنبہ جناب نواب گورنر بہادر دربار عام خواہند داد.چوں من از تازہ واردانم‘ بخود فرورفتم و بامداد پگاہ بہ دفتر خانہ رفتم. با جناب اسٹرلنگ صاحب بہادر صورت ملاقات نہ بست .ناچار باز آمدم و شب در بیم و امید بسر بردہ روزِ شنبہ باز رفتم .از راہ عنایت حکمِ ملازمت دادند. برائے خلعت عرض کردم . فرمودند کہ وقتِ رخصتِ شما بخوبی خواہد شد .چوں یک شنبہ رسید ‘ آخرِ روز از غم کدہ برخاستہ بہ مکانِ مولوی سراج الدین احمد صاحب رفتم و شب در آں جا بروز آوردم و روز دو شنبہ ہم از آنجا سوار شدہ نخست بدفتر خانہ رفتم و از آنجا بہ بارگاہ گیتی پناہ رسیدم. ملازمت میسر آمد و عطرو پان مرحمت شد. چوں بر گردیدم یاران نہ گزاشتند کہ بخانہ باز آیم. شب ہم در آں جا بسر شد.

ع - درویش ہر کجا که شب آید سرائے اوست

امروز صبح از آں جا سوار شده بخانۂ دوستی که در اثنائے راه بود رسیده به کلبۂ احزان وقتے رسیدم که ملازمِ جناب نوازش نامه بر سر دست انتظار من می کشید. جواب آں منشور سعادت رقم زدم و پارۂ از احوال خودم بگزاردم. مرا نیز کاغذ مطلوب بود. کہاررا به معیّت آدمِ حضور به بازار فرستادم ' تا کاغذ بوے دہانیده خود نیز آں چه به آوردن ماموراست بیارد. می خواستم ایں وقت بخدمت رسیدن. اما تحریر خطوط ضروری مانع آمد. اگر مانعی تازه برنخاست ' نقش آرزویم بر لوح مراد خواہد نشست یعنی سرشام بملازمت خواہم رسید. زیاده نیاز.

(۴۷/۱۰)

قبلۂ بنده '

ہر گاه نوازش نامه می رسد' مرا در مادۂ بہم رسانیدن القاب و آداب چه گویم که چه ربودگی ہارو میدہد. آرے ہر گاه محیط قطره را بدیں رنگ ستاید ' از قطره بجز دست و پاگم کردن چه آید و جانیکه آفتاب ذرّه را بدیں گونه دل گرمی به نوازد' از ذرّه بغیر ازیں که رنگ

تپشی ریز د چه خیزد۔ حق ایں است که حرف حرف خبر از جوشِ محبت می دهد۔ در تلافیٔ ایں چنیں عنایات و کرم از ہیچ کسان جز گردِ سر گردیدن و قربان شدن چه آید۔ جہاں آفریں بایں ترحم و تفقد سلامت داردا امروز تا نیمه روز چشمم به خیال بازو روانم با طرب دمساز ماند که اینک مخدوم از در میرسد وشام غربتم را بامداد پدید می آید۔ ایں وقت سرداشتم که کس بفرستم و خبر مزاج عالی جویم که عنایت نامه رسید و تسکین بخشید۔ فردا تا نیمۂ اول روز تکلیف نه خواہند فرمود که بنده جاے خواہم رفت و بعد از دوپہر تا شام نقش دیوار غم کدۂ خویش خواہم بود۔ زیاده تسلیم است و بس۔کمتر از ہیچ ' اسداللّه۔

(۳۸/۱۱)

مخدوم بنده پرور سلامت '

آه از محرومیٔ دی روزه که ہم عنان کاروانِ آرزو بدرِ دولت سرا رسیدم و وا رسیدم که ملازمان سواره بجائے خرامیده اند۔ بارے خرسندیٔ دیدنِ قرة العینِ سعادت ' محمد مرزا تلافیٔ رنج دل کرد۔ ایزدش در سایۂ رافت مخدومی زنده داردا نفسے چند بخدمت جناب تپاںؔ

نشستہ بہ سوے مہدی باغ رفتم۔ شبانگاہے کہ بہ کلبۂ احزان رسیدم، شنیدم کہ آفتاب بر ایں خرابہ تافتہ بود و ذرہ ام روشناسِ پرتوِ قبولی نہ شد۔ حسرت بہ حسرت افزود و اندوہ بر اندوہ رو نمود۔ پارۂ از خویشتن رفتم و لختے گریہ بکار دل کردم۔ ضمیر صفوت تخمیر مخدومی دلاسایم داد و ایں آمد و شد ہم دیگر را از عالم آثار وحدت حقیقی و محبت معنوی وا نمود۔ برخے تسکین اندوختم و بخود آمدم۔ امید کہ محبت در افزائش و کرم سرگرم بخشایش باد! فقط۔

(۱۲/۳۹)

بعزِ التماس امیدگاہ بیکساں، خاں صاحب جلیل المناقب عمیم الامتنان میرساند کہ اگر دانستمی کہ از گزارشِ بیدادِ طولِ زمان فراق، در زمرۂ تقاضائیان مدعا طلب شمردہ نہ خواہم شد، چہ گریبا نہادرید می وازد اد(۱) زہرہ گداز دوری بچہ غوغا نالیدمی۔ اما منّت ایزد را کہ طبعِ حق پرست و حق شناس آں امیدگاہ مخلصان، معیارِ عیار و داد و نقادِ نقودِ صدق و سداد است، ہر آئینہ

۱۔عبارت یہاں درز کی مقتضی ہے۔ ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

از پرده بدر می آیم و زمزمهٔ شوق فارغ از بیم و ہراس میسر ایم. مجمل ایں کہ تابِ فراق و توانِ صدمات اشتیاق باقی نیست ۔ بارہا کس فرستادم و دو سہ نوبت خود نیز از بیتابیٔ دل بدرد ولت سرا رسیدم. از ہر کہ پرسیدم ' ہمیں جواب شنیدم کہ ہنوز تشریف نیاوردہ اند. خدا را ' اگر در آمدن تاملّے و توقفے باشد ' بیاگاہانند تا مضطرب و سراسیمہ نباشم.و اگر در دو سہ روز توانند آمد ' نویدی بخشند تا اندوہ از دل برخیزد. نہ پندارند کہ غالبؔ درکار خود عجول یا در باب مدعا فضول است. حاشا کہ چنیں نیست ! بل شوق دیدار منشاء ایں دراز نفسیہاست ۔ آرے ایں قدر ہست کہ از درماندگیہا چشم طمعی بر بیکس نوازیہاے جناب سامی دوختہ و شمع ہوسی در نہانخانۂ خیال برافروختہ ام و میدانم کہ بیش از من خون گرم چارہ سازیہاے منند. چہ دانم کہ ایں قدر لنگرِ اقامت در آں جا فروانداختن خاصہ از بہرِ دست گیری و بہم سازیٔ من باشد. ہر چند ایں مجموع مراتب چنانکہ باید خاطر نشان و دل نشین است ' اما دل از بے حوصلگیہا بجوش و لب از ہرزہ نوائیہا بہ خروش می آید. ماموِل کہ عذرِ بے اختیاریہاے شوق بہ پزیرند و

برخردان خرده نگیرند. والسلام والاکرام!

(۴۰/۱۳)

مخدومِ صورت و معنی سلامت'

پایانِ صحبتِ مشاعره بخاطر بود نکتهٔ چند تحویل سامعه جناب ساختن و دل را از اندوه پرداختن. امّا ہلاکِ شیوهٔ عزمِ جوا نمانهٔ جنابم که از حلقهٔ بزم به آئینے بدر خرامیدند که تودیع به عمل نیامد' تا به تسلیم چه رسد. ناچار ایدون خامهٔ نیاز رقم را وکیلِ گزارش مدعا ساخته مکتوبی بنام نامیٔ آغاصاحب رقم زده در نوردِ عرض داشت فرستاده است. مترصّد که سر تا پاے آں نه گرسته (۱) به مکتوب الیه به سپارند. می بایست که ہرچه به آغا صاحب نگاشته ام بخدمت آں مخدوم عرضه داشتمی. اما مصلحت اقتضائے ایں معنی کرد. بہر رنگ کار به عنایت است و باقی بہانه.

(۴۱/۱۴)

قبلهٔ من'

بخدا که ہر دم خیالِ ناسازیٔ مزاجِ آقا محمد

۱۔ ظاہر ہے درست "نگریستہ" ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

حسین دلم را رنجه دارد. خدائے توانا آں گوہرِ قلزم مروّت یعنی آقا صاحب را سلامت دارد و تندرستی بخشد۔ اگرچہ بندہ را در ہر گلی بندر بہ سبب تفرقہ و رمیدن ملّاحان کلکتہ و از کف رفتن آں سفینہ و جستجوئے زورقی دیگر پنج روز اتفاق اقامت افتاد و مکتوبی خاص از بہرِ استخبارِ تندرستئ آقا صاحب معرفت متصدئ سرکارنواب صاحب بنام نامئ جناب رقم کردہ فرستادم۔ امّا چوں در آں پنج روز جوابش نہ رسید' دلم شورہ تر گشت۔ خداوندا' صحتش بخشیدہ باشی' ہر نفس وردِ زبان من است۔ اندازِ غم خواری کہ از ملازمان جناب در حقِّ خویش دیدہ ام' نہ چندانست کہ اندکی از بسیار آں شرح توانم داد۔ بخدا' بہ پشتگرمئ اخلاقِ شما داغ فراق دہلی بر دلم سرد بود۔ شکر است و صد ہزار شکر کہ در غربت یک گراں مایہ از اربابِ وطن یافتم۔ امّا حیف کہ دیگر امیدِ وصال نیست۔ جناب مرزا صاحب وعدہ دادند کہ بہ دہلی خواہم رسید۔ باشد کہ اتفاق افتد۔ لیکن د ستم بدامن شما دگرنہ خواہد رسید۔ آہ از من ووائے بہ روزگار من! امروز کہ بہ روز سہ شنبہ است' در مرشد آبادم و کشتی میجویم۔ امید کہ ہمیں یک دو روز براہ دریا رواں

گردم۔ الله بس، ماسوا ہوس!

(۴۲/۱۵)

مخدومِ من،

توقف در ہوگلی اگرچہ اختیاری نبود، اما انتظار جوابِ مکتوبی کہ بتوسط وکیل نواب علی اکبر خاں بخدمت فرستادہ بودم، سر خوشِ نشۂ کیفیتِ انتظارم داشت۔ و حقّا کہ از آں نامہ جز استخبارِ آغا محمد حسین صاحب امری دیگر نبود۔ چوں در آں پنج روزہ درنگ پاسخ نہ رسید و کشتی دست بہم داد، دل تنگ براہ افتادم۔ بخدا در ہیچ سر منزل از حالِ آغا محمد حسین فارغ نبودہ ام و ہنوز آں کشاکش ہمچنانست۔ نیازنامہ از مرشد آباد در نوردِ عرضۂ موسومۂ جناب مرزا احمد بیگ خاں دام مجدہ ارسال یافتہ۔ خوش باشد، اگر رسیدہ باشد۔ خدا را، در جوابِ ایں نامہ سطری چند بر پارۂ کاغذی رقم کردہ ہماں در نوردِ مکتوب مخدومی مرزا احمد بیگ خاں بفرستند کہ آں صحیفہ در باندا بمن خواہد رسید و سرمایۂ آرامشِ جاں مُستمند خواہد بود۔ بخدمت آغا صاحب سلامِ شوق، اماً نہ بداں معنی کہ بہ زباں بگویند، بلک ایں صفحہ را نشان بہ نمایند، کہ در

حقیقت ایں مکتوب نخست برائے ملازمان جناب والاست و پس از آں ہم چناں برائے بندگان حضرتِ آغا۔ دو قطعہ نکردن نامہ بہوای سبک باریٔ کاغذ است۔ و انصاف بالائے طاعت، مضمون نیز جز عرض مراسم سلام و دعاگونی و شیوۂ خیر طلبی نیست۔ حالِ خاکسار ایں کہ امروز از ساحل نشینان معبرِ عظیم آبادم و فردا از رہ گرایان سرِ منزل مراد۔ خدا بمامنم رساند و شبم را سحر گرداند! والسلام۔

(۴۳/۱۲)

قبلۂ من،

نویدِصحت یافتن آغاصاحب دلم را تازہ وروانم را شاد کرد۔ خدایش زندہ دارد و بمدارج بلند رساند۔ واللّٰہ مرا از تہہ دل بہ آغا محبتی است! ہر چند اظہار مہر و وفا شعار من نیست، اما زبان را چہ کنم کہ جز بحرف حق نمی جنبد۔ با ملازمان سامی دعوی مہر و محبت بے ادبی است۔ من و خدائے من کہ شما در کلکتہ غمِ غریبی و اندوہ بے کسی از دلم ربودہ بودید۔ می دانستم کہ کلکتہ دہلی است و غربت وطن، زندان گلستان است و بیابان چمن۔ بزرگ منید و مربیٔ جان و تنید۔ بالجملہ روزِ آدینہ

که غرّۂ جمادی نخست بود' به باندا رسیدم۔ و روز شنبه از ایں جایگاه رواں خواہم شد۔ کولبرک صاحب رسیڈنٹ دہلی از عہده معزول و فرانسس ہاکنس صاحب بفرماندہئ دہلی منصوب اند۔ گویند مردیست رحیم القلب سلیم الطبع ۔ اماً حیف که مایل بسیر و شکار افتاده و بے پروا واقع شده 'گوش بفریاد مظلوماں نمی نہد' و دادِ ستم زدگان زود نمی دہد۔ ہر چند در مقدمۂ من حکمِ صدر محکم است ' اما از جناب ملازمان شما و آغا صاحب چشم آں دارم که نخست دریابند و وار سند که مسٹر فرانسس ہاکنس بہادر که پیش ازیں حاکم اول صاحبان دائر و سائر بودند و حالیا از بریلی به دہلی رسید' رسیڈنٹی دہلی می کنند' با جناب کرنیل صاحب رابطۂ مودتی دارند یا نه۔ اگر باہم آشنا نباشند خیر ' و اگر دوستی درمیانه باشد' جناب سامی و آغا صاحب بخدمت خانم صاحبه از جانب من آداب رسانیده و بیکسی ہاے مرا یا د دہانیده چناں کنند که سپارش نامه به کف آید که ہم حکم سرکار و ہم تحریر کرنیل صاحب باہم آمیخته ذریعۂ حصول التفات و وصول بسر منزل نجات گردد۔ اگرچه من به کلکته نیم ' اما بودن جناب و

آغا صاحب می باید. و زمانِ بودن من نیز کار وابسته به مہربانیٔ ملازمان بود و بس بلک اگر در عرض ایں تمنا حاجت بداں افتد کہ برائے کرنیل صاحب نیاز نامۂ از جانب من باید داد' اجازت است کہ عرضہ از جانب من بہ القاب و آداب شایستہ نبشتہ بہ گزرانند. بلک میدانم حاجت بدیں مایہ ابرام نہ خواہد بود. بخدمت آغا صاحب سلامے بصد شوق و پیامی بہ ہزار آرزو معروض است. اگرچہ مرض رفع شد' لیکن جوانی نباید کرد و احتیاط نباید گزاشت. مضمون صدر بہ ضمیر فرا باید گرفت و بیکسی ہایم یاد باید داشت. در آغاز کار کوشش بہ سزا فرمودہ اید. حالیا کہ عقدہ را ہنگام کشایش فراز آمدہ' توجہی بہ نمائید.و بخدمت خانم صاحبہ و قبلہ بندگی رسیدہ باد. اگر خدا خواست و ہاکنس صاحب آشنائے کرنیل صاحب برآمد وچٹھی بہ کف افتاد' عنایت نامہ جداگانہ بہ دہلی بہ فرستند معنون بایں عبارت کہ "بہ دہلی در کھاری باؤلی قریبِ دیوان خانۂ نواب نوازش خاں در حویلیٔ نواب عبدالرحمن خاں بہ مطالعہ اسد برسد".

(۴۴/۱۷)

قبلۂ من،

اگر وثوقِ امید عفو نبودی، دل به نگارش نامه باوی(۱) نمی دارد. گرفتم که ملازمان جرم مرا بخشیدند و خط نسخ بر خطاے من کشیدند، خود را در نظرِ خویشتن چه گونه گرامی گردانم؟ ع

اگر گناه به بخشند، شرمساری هست

اینکه در واقعۂ نور چشم محمد مرزا سطر تعزیتی از رگِ کلکم نه دمیده، بیشترم خوار و نژند دارند! اما من وخدا که روزے چند در فکرِ تاریخ و روزهائے دراز بر پریشانئ خودم سپری شد و هنوز نه تاریخ مردنِ محمد مرزا سر انجام یافته و نه نقش امیدِ زیستم درست نشسته. فرمانده ایں دیار خان و مان مرا به سیلاب فنا داد و رنج و محنتم ضایع و حق مرا تلف کرد. اگرچه مرهم ایں خستگی و مومیائ ایں شکستگی درداروخانۂ صاحبان صدر هست، اما چوں منی را باز تا در آں دادگاه رسیدن دشوار. میشنوم که نواب گورنر بهادر به هند

۱۔ درست "یاری نمی داد" معلوم ہوتا ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

می آیند. به بینم که من گرد آں سپاه بدیده می کشم' یا خاكِ من جولان گاه آن موکب علیامی شود. حضرت سلامت' از بے تمیزی و ناانصافیٔ ایں حاکم شکستگیٔ در کارم افتاده است که شرح آن بصد ہزار زبان نتواں کرد. قطع نظر از کامیابی و ناکامی' طعنۂ خواص و خندۂ عوام را بہ شور آورده و در خونِ دلم رستخیز قیامت افگنده است. مقصود ازیں نالہ ہاے زار آن است کہ اگر در نامہ نگاری درنگی روی دہد' بہ بے وفائی متّہم نباشم. زیاده نیاز.

(۴۵/۱۸)

بنده نوازا'

عمریست که خبر از حالِ شما ندارم. چه گویم که چه مایه در خون می تپم و چه قدر جان می کنم! مرا خود روز سیاہی پیش آمده است که از فرط آسیمه سری شب از روز و سر از پا نمی شناسم. فرصت بخود پرداختنی کجا و سرو برگ سیه ساختنی کرا! می دانم که از واقعه محمد مرزا ملول و از ناسازی روزگار بخود: شغولید. خداے شما را شاد واز بندِ غم آزاد دارد! دریں روزہا از روے اخبار پدید آمده است که فضاے کلکته جولانگاه ہوای وبائی است.

سخت پریشان شده ام۔ خدائے را ' به ہمه بے دماغی و دل تنگی بر من مہربان باید شدو دو ' سه سطر از عافیت خود باید نگاشت و تندرستی و خورسندی حکیم صاحب را ضمیمۂ آں باید ساخت و پس از آں که ایں مراتب را در تحریر تفصیلی وافی داده آید' از حالِ ماند و بود خویشتن مجملی رقم تواں کرد که خاطرم بصد رنگ به شما نگراں است۔

والسلام علی من اتبع الهدی۔

(۴۶/۱۹)

قبلۂ من'

بحیرتم که کدام جرم سترگ از من بوجود آمده که سزاوارِ ایں ہمه عقوبت گردیدم۔ جناب سامی خود گاہی بنامۂ یادم نفرموده اند و جواب نیازنامه ہائے من نفرستاده۔ مرزا احمد بیگ خاں را چه شد که سه ماه گزشت و مکتوبی از آں جانب نظاره افروز نگشت۔ من به دہلی به روزسیاہی که دشمن نیز مَبیناد ' در مانده و مہربانان کلکته یک قلم رخ التفات ازمن گردانده۔ فلاں بیگ که لختی ازوے و حال وے بگوش شما

رسانده ام' سپهر را بکام خود دیده' ورقِ آشتی برگردانده و نامۂ بے وفائی برخوانده است۔ پیمانِ یاری شکسته و کمر به قتلم بسته۔ ندانم مگر فرمانِ او بر خاص و عام کلکته روانست که جمله یاراں به تبعّیت وے برخاسته اند و در عتاب افزوده و در مہر کاسته اند۔ بخدا از نرسیدن نامۂ مرزا احمد بیگ خاں برنج اندرم۔ مہربانی را چه شد و دوستی کجا رفت؟ ایدون که صریح دانستم که مرزا صاحب بپاس ربطِ فلاں بیگ طریقۂ فرستادن نامه و پیام با من مسدود کردند' من نیز خود را از تحریر مکاتبات به کناره کشیده ام۔ و بجناب چه گویم' که از روز نخست رسم و راه نامه و پیام سر نکرده اند۔ ناچار به مقتضاے گمانی که بر عنایاتِ شما داشتم' ایں عرض داشت بخدمت فرستادم۔ اگرچه می دانم که پاسخ نخواہد رسید' اما ہنوزم بر شما نیم گمانی است و گنجایش امتحانی۔ زیاده زیاده۔

بخدمت آغا صاحب نامہربان آداب خاکسارانه و نیازہاے درویشانه قبول باد' بشرطیکه در صورت پذیرفتنِ آدابِ نیاز ازیں روسیاه از جانب فلاں بیگ احتمالِ رنجش نباشد۔ والسلام خیرختام۔

(۴۷/۲۰)

ستایش و نیایش و کورنش و تسلیم ' ایں ہمہ تمہید تقاضاے فرستادن(۱) عبودیت نامۂ (غالبؔ) دہلویست۔ اگر فرستادہ اند سپاس بر سپاس ' وگرنہ مکرر التماس۔

بنام ادارۂ جام جہاں نما

(۴۸/۱)

چہرہ پردازانِ اوراق جام جہاں نما را از اسداللّٰہ خاں داد خواہ آئینۂ عرض ایں مدعا در نظر باد کہ ایں ننگِ آفرینش کہ موسوم بہ اسد اللہ خاں و معروف بہ مرزا نوشہ و متخلّص بہ غالبؔ برادر زادۂ نصر اللّٰہ بیگ خاں جاگیردار متوفی سونک سونساست حق خود ' کہ عطیۂ سرکار انگریزی است ' از جاگیردار فیروز پور می جوید۔ بازپرسِ مراتب تظّلم بموجب حکم صدرِ والا قدر بہ محکمۂ محتشمۂ رسیڈنٹی دہلی در پیش ' واصل مقدمہ بہ پیش گاہ عالم پناہ کونسل عالیہ زیر تجویز

۱۔ ایسا معلوم ہوتا ہے متن میں "عبودیت نامہ" سے قبل لفظ "پاسخ" رہ گیا ہے۔ اردو ترجمہ اسی قیاس پر کیا گیا ہے۔

است۔ امّا از آں جا کہ جاگیردار فیروز پور ترنگر است و من تہی دست، گروہا گروہ مردمِ خاص و عام باوی یک دل و یک زبان اند۔ از آں جملہ خبر گویان دربار گاہ رسیڈنٹی بہ نیّت حصول ثوابی کہ در آزار من گمان می کنند، حالِ مقدمۂ مرا بعنوانہائے ناسزا مذکور و مشہور می کنند و بدارِالطبع جامِ جہاں نما می فرستند و آں خبرہائے خلافِ واقع بہ قالب طبع در می آید۔ و پیداست کہ با یک شہر ستیزہ نتواں کرد و خلقی را از حالِ خود آگہ نتواں ساخت۔

چہ کنم با یک آسمان اختر، چہ کنم با جہاں جہاں دشمن، ناچار از سطوتِ اعدا بخدائے پناہم، واز اعیانِ دارالطبع جامِ جہاں نما آں می خواہم کہ ہمت بہ نواختنِ بے کساں گمارند و ایں چند سطر را در اوراق جامِ جہاں نما بقالب طبع در آرند۔ و آیندہ ہر خبرے کہ نسبت بدیں گم نام مستہام از دہلی برسد، از نظر اندازند و در جام جہاں نما منطبع نسازند۔ اما ایں استدعا برائے دوام است و داعی را در قبول ایں ملتمس خیلے ابرام۔

بنام شیخ ناسخ

(۴۹/۱)

سبحان اللّٰہ!

متاع مرا بایں ہمہ ناروائی خریداری و مرا بایں ہمہ ناکسی غم خواری ہست۔ چہ کنم' تا سپاس عنایت ناگزاردہ نماند! ہما ناہم در ایں سگالش بے خواست بر زباں بر آید کہ "جان فدایش باد!" غیرت در چشمک زنی و ہمت در جان گدازی' چہ جانی کہ جوان مردان از دشمن دریغ نہ دارند' اگر بپاے دوستی فشاندہ باشم' پیداست کہ چہ مایہ حقّ وفا بہ تقدیم رساندہ باشم۔

قبلہ و قبلہ گاہ غالبؔ دردمند سلامت'

مشکین رقم صحیفہ مشام آرزو را غالیہ سا و چہرۂ آبرو را پردہ کشا آمد۔ خامۂ مخدوم بہ گلبانگِ التفات پردۂ چند از پرسشِ روداد' سخن را درد و مقام نشست ہمدمی بحشید۔ نخست در معرض استفسار کمیت زر ڈگری و آں گاہ بزہ نمونۂ سفر دکن۔ نہفتہ مباد آں چہ کہ در عبودیت نامۂ پیشین از ایں عالم گفتہ شدہ بود' سیرابی بیان داشت' ورنہ مرا کہ با

کشاکش تقاضا خو کرده، مدتی دراز در مخمصهٔ قرض بسر برده ام، ازیں ہنگامہ بر دل بندی و گزندی نیست۔ و خود ایں مایہ زر کہ از من بدارالقضا خواستہ می شود، بداں نمی ارزد کہ خاطرم را پراگندگی دہد، چہ از پنج ہزار فزون تر نیست۔ بہانے زیور و پیرایهٔ شبستان بدیں و ما تواند کرد۔ آں چہ کہ مرا می باید داد، از چہل ہزار افزوں تر و از پنجاہ ہزار کمتر است۔ حاشا کہ بدیں وجہ آرزوے اجرا گرد دل گردد، یا خود مناسب حالم بودہ باشد! مگر ایں قدر از دست بہم دہد، تا نشینم و مشت مشت بر مدعیان افشانم و خود را ازیں بلا کہ دنیاش نامند، برکراں کشیدہ قلندر گردم و گیتی را سراسر گردم۔ ایں کہ لختے از عمر تلف نمودم و مدح شاہ اودھ سرودم، آرائش بساط ایں تمنا بود و دریوزهٔ دست گاہ ایں ہوس۔ چوں کار ساختہ نہ شد و زمزمهٔ من بدلہاے سخت شاہاں فرود نیامد، روی گرداندم و برخود دریغ خوردم۔ اکنوں من کجا و سفرِ دکن کجا! سی سال در رنگ و بو دمی و نی بسر رفت۔ اکنوں دل را بدینہا گرایشی نماندہ و داعیہ رہائی، از بندِ تن پدید آمدہ۔ ہمہ آں می خواہم کہ یک بارہ مرزبوم ایران را بہ پیمایم و

آتش کدہ ہائے شیراز را بنگرم۔ و اگر پائے عمر بہ سنگ نیاید، فرجام کار بہ نجف اشرف برسم و مزار آں را کہ از کیش آبایم بدر آورد و بے خود بخود کشید، بنگرم، مستانہ جان دہم و سر بہ بالینِ فنانہم۔

غالبؔ، روشِ مردمِ آزاد جداست
رفتارِ اسیرانِ رہ و زاد جداست
ما ترک مراد را ارم می دانیم
واں باغچۂ حبطئ شدّاد جداست

انصاف بالائے طاعت است۔ عزیمت سفر بے گسستن بندِ وام امضا پذیر نیست، و چوں ایں بند گسستہ و ایں سنگ از راہ برخاستہ شد، حیف باشد کہ جز راہ نجف پویم و وائے بر من اگر جز وی جویم۔ چند و لال زمزمۂ مارا چہ داند و ہنجارِ مارا کہ دریابد۔ پیرے، خرفے، ہیچ مدانے، کج مج زبانے، ...... آں کہ در پارسی قتیلؔ را باوستادی گیرد، غالبؔ را چہ می کند، و آں کہ در اردو نصیرؔ را ستاید، ناسخؔ را چہ می کند! و خود عمرش از ہشتاد متجاوز است، تا باو میرسم، او بہ جہنم میرسد۔

****

مکتوب الیہم کے

سوانحی احوال وکوائف

سراج الدین احمد

مولوی سراج الدین احمد موہان (لکھنؤ) کے باشندہ تھے کاروبار کے سلسلے میں انہوں نے کلکتہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ جن دنوں غالبؔ اپنی پنشن کے مقدمہ کی پیروی کے سلسلے میں کلکتہ پہنچے تھے' مولوی سراج الدین احمد کا قیام وہیں تھا۔

مولوی سراج الدین احمد کی فرمائش پر غالبؔ نے اپنے اردو' فارسی کلام کا ایک مختصر سا انتخاب کیا اور اس کا نام گل رعنا رکھا۔ مولوی سراج الدین احمد کا کلکتہ کے ہفتہ وار اخبار آئینۂ سکندری سے تعلق تھا یا نہیں' وثوق سے کہنا مشکل ہے۔ البتہ یہ یقینی امر ہے کہ وہ حکام میں اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ چنانچہ ان ہی کی کوششوں سے آئینۂ سکندری میں غالبؔ کا کلام چھپتا رہا۔ غالبؔ اس ہفتہ وار کا باقاعدہ مطالعہ کرتے تھے۔ اس کے متعلق انھوں نے اپنے ایک خط میں اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے اور اس کے خریدار بنانے کی بھی سعی کی ہے۔

مولوی سراج الدین ۱۸۵۹ء میں لکھنؤ چلے آئے تھے اور احاطہ خانساماں کے متصل تکیۂ شیر علی شاہ کے قریب مولوی عبدالکریم کے مکان میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ غالبؔ نے اپنے شاگرد منشی شیو نارائن آرامؔ کے ذریعے اپنی تصنیف دستنبو کا ایک نسخہ ان کے اسی پتہ پر بھجوایا ہے۔

غالبؔ اور مولوی سراج الدین احمد کے تعلقات کی نوعیت کا اندازہ ان خطوط سے بھی ہوتا ہے جو انہوں نے منشی جواہر سنگھ جوہرؔ کے نام لکھے ہیں۔ مولوی سراج الدین احمد نے ایک طویل عرصہ اکبر آباد میں گزارا۔ جن دنوں مولوی

سراج الدین احمد اکبرآباد میں تھے انھوں نے منشی جواہر سنگھ جوہر کو ان کے پاس بھیجا تھا' تا کہ وہ ان کی صحبت میں رہ کر کسی قابل ہو سکیں۔ غالبؔ نے بے خبر کے نام ایک خط میں مولوی سراج الدین احمد کی یوں تعریف کی ہے:

باسراج الدین احمد چارہ جز تسلیم نیست

ورنہ غالبؔ نیست آہنگ غزل خوانی مرا

(غالب ص ۱۱۴' ص ۱۱۳' ذکر غالب ۲۰۳' ۲۵۱' تاریخ صحافت اول ص ۸۰' خطوط غالب ص ۲۷۰)

مرزا احمد بیگ طپاںؔ

مرزا احمد بیگ طپاںؔ' مرزا جان طپش کے شاگرد اور دہلی کے باشندے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب تمغش خاں والیٔ دشت قبچاق تک پہنچتا ہے۔ عبدالغفور خاں نساخؔ نے ان کے والد کا نام عطاء اللہ خاں بتایا ہے یہ درست نہیں۔ مولوی عبدالقادر رامپوری نے ڈھاکہ سے کلکتہ پہنچ کر طپاںؔ سے ملاقات کی تھی۔ انہوں نے ان کے والد کا نام مرزا ہادی خاں لکھا ہے۔ یہ غلط نہیں ہوگا۔ غالبؔ نے ان کے لیے "مرزا احمد بیگ خاں ابن مرزا ہادی بیگ خاں برادر زن مہین برادر نواب احمد بخش خاں دوم" لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندانِ لوہارو سے ان کی رشتہ داری تھی۔

جب دہلی اہل کمال پر تنگ ہو گئی اور وہاں کے رہنے والوں نے دور دراز کے علاقوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو مرزا احمد بیگ طپاںؔ بھی کلکتہ چلے گئے۔ عبدالغفور نساخؔ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صدر دیوانی کلکتہ میں مختار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ اس کی تائید غالبؔ کے ایک خط سے بھی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جن دنوں وہ اپنے مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں کلکتہ آئے تھے' مرزا احمد بیگ

خاں طپاںؔ کا تقرر مختار صدر دیوانی کلکتہ کی حیثیت سے عمل میں آیا تھا۔ غالبؔ کو ان سے اس امر کی بھی شکایت رہی تھی کہ انہوں نے زینتِ پیش گاہ صدر عدالت ہونے کے بعد ایک مرتبہ بھی ان کو یاد نہیں کیا۔ مرزا احمد بیگ خاں طپاںؔ جب کلکتہ سے اُکتا گئے اور دہلی آنے کا ارادہ کیا تو غالبؔ نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ کلکتہ کو غنیمت جانیں، دہلی میں وہاں کی سی فراغت اور آسودگی ممکن نہیں۔

غالبؔ نے کلکتہ کے قیام کے دوران اعظم الدولہ سرورؔ کے تذکرہ کے لیے مرزا احمد بیگ طپاںؔ کے حالات اور کلام حاصل کیا تھا، اعظم الدولہ سرور نے اسے کسی وجہ سے اپنے تذکرہ میں شامل نہیں کیا۔ جب مصطفیٰ خاں شیفتہؔ اپنا تذکرہ گلشنِ بے خار مرتب کرنے لگے تو غالب نے ان کو (اس طرح) تاکید کی۔

"مرزا احمد بیگ طپاںؔ سے میری ملاقات کلکتہ میں ہوئی تھی۔ وہ اُردو میں شعر کہتے تھے۔ اور مرزا جان طپش کے شاگرد تھے۔ کلکتہ کے قیام کے دوران جب میں نے ان کو بتایا کہ نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں سرورؔ اُردو شاعروں کا تذکرہ مرتب کر رہے تو طپاںؔ نے مجھے اپنا منتخب کلام عنایت کیا تھا تا کہ میں اسے دلی لیتا جاؤں اور سرورؔ کے حوالے کر دوں۔ سرور کے ذہن سے یہ بات نکل گئی اور وہ اوراق ان کے تذکرہ میں شامل ہونے سے رہ گئے۔ افسوس ہے کہ مجھے خود بھی ان کا کوئی شعر یاد نہیں رہا۔ آپ زحمت فرما کر ان اوراق کو سرورؔ مرحوم کے فرزندوں سے حاصل کر کے شامل تذکرہ کر لیں۔"

گلشنِ بے خار میں مرزا احمد بیگ طپاںؔ کا ذکر نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کو اعظم الدولہ سرورؔ کے صاحبزادوں سے مرزا احمد بیگ طپاں کے حالات اور کلام حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہو سکی۔ مرزا احمد بیگ خاں

طپاں نے ۱۸۴۴ء میں انتقال کیا۔ نساخ کے بیان کے مطابق ان کی یادگار ایک دیوان بھی تھا۔ مولوی عبدالقادر رام پوری نے ان کے متعلق لکھا ہے۔

''وہ اچھے شاعر ہیں، اپنا سلسلۂ نسب تمغتش خاں سے ملاتے ہیں۔ میری ان سے بے تکلفانہ دوستی ہے۔ وہ ریختہ گوئی میں پرانے شعراء کا نمونہ ہیں۔ کلکتہ کے اکثر لوگ اس فن میں ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس خیال سے کہ لوگ یار فروشی نہ سمجھیں، ان کا مرتبہ جیسا جانتا ہوں، نہیں لکھتا۔''

مرزا احمد بیگ طپاں کا نمونہ کلام یہ ہے:

رات کو چرخ سے ٹوٹا نہ ستارہ ہوگا — آہِ سوزاں کا مری کوئی شرارہ ہوگا

کیوں نہ جھولو گے ہنڈولے میں تم اغیار کے ساتھ
میری قسمت کا جو گردش میں ستارہ ہوگا

پابند نہیں اپنے وہ رتبۂ عالی کا — پڑ جائے جسے چسکا اس پیار کی گالی کا
طرفین کی الفت سے تکمیل محبت ہو — امکاں نہیں بجتا اک ہاتھ سے تالی کا
کون آئینہ رو آج گیا ہے مرے گھر سے — پیدا ہے جو حیرت مرے ہر حلقۂ در سے
دریا سے نکلتے نہیں جو مردمِ آبی — پنہاں ہیں مری آہِ شرر بار کے ڈر سے

تغیر وعدۂ جاناں میں سو سو بار ہوتا ہے — کبھی اقرار ہوتا ہے کبھی انکار ہوتا ہے

(سخن شعرا ص ۳۰۲، کلیات نثر غالب ص ۱۳۳، ص ۱۰۹۔ علم و عمل ص ۱۴۴، متفرقاتِ غالب ص ۵۷، ص ۷۰)

مرزا ابوالقاسم خاں

مرزا ابوالقاسم خاں کا پورا نام معۂ خطاب "مصلح الدولہ سید ابوالقاسم خاں تھا۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ عبدالغفور نسّاخ کے بیان کے مطابق ان کا سلسلۂ نسب امیر تیمور تک پہنچتا ہے۔ بنی نرائن کے بقول وہ دہلی کے خاندانِ بادشاہی سے تعلق رکھتے تھے۔ غالبؔ نے ایک شعر میں ان کو "دردؔ کی یادگار" کہا ہے۔ دردؔ کے خاندان سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ شاید انہوں نے دردؔ سے اصلاح لی ہو۔ اس سلسلہ میں بھی وثوق کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ ان کے حالات میں تذکرہ نویسوں کے بیانات بہت مختصر اور بڑی حد تک ناتمام ہیں۔ ان سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا ہے کہ مرزا ابوالقاسم خاں نے کب اور کیوں دہلی سے ہجرت کی۔

مولوی عبدالقادر رام پوری نے اپنے قیامِ کلکتہ کے دوران مرزا ابوالقاسم خاں کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ مرزا ابوالقاسم خاں نے دہلی سے نکلنے کے بعد کچھ دنوں لکھنؤ میں قیام کیا' پھر تلاشِ معاش میں کلکتہ پہنچے۔ لیکن وہاں بھی لیاقت کے مطابق معاش کی صورت پیدا نہیں ہو سکی۔ جن دنوں غالبؔ کا قیام کلکتہ میں تھا مرزا ابوالقاسم خاں اور غالبؔ میں موانست پیدا ہو گئی تھی۔ غالبؔ نے ان کے نام جتنے بھی خطوط لکھے ہیں' ان میں بعض گھریلو باتوں کا تذکرہ ہے اور بس۔ ایک مرتبہ غالبؔ نے مرزا ابوالقاسم خاں کو مسہل لینے کا مشورہ دیا۔ مسہل سے مرزا ابوالقاسم خاں کو فائدہ ہوا تو یہ مختصر قطعہ کہہ کر غالبؔ کو بھیجا۔

اے مسیحِ زماں تو می دانی — بہ جنابت ارادتے کہ مراست
بوعلی کے رسد بہ تشخیصت — کہ فلاطوں مثالِ تو داناست
می سزد گر بگویمت بقراط — ور فلاطون بخوانمت زیباست

مسہلی دادی و بفرمودی پہ عمل آو بے گماں کہ شفاست
زاں عمل دور شد مرض بالکل گر بگویم توئی مسیح بجاست

غالبؔ نے اس قطعہ کے جواب میں فوراً ایک قطعہ کہا اور انہیں ارسال کیا۔

دیوانِ جہاں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۱۲ء کو کلکتہ میں ایک طرحی مشاعرہ ہوا تھا جس میں مرزا کاظم علی جوانؔ، میر حیدر بخش حیدریؔ، سیّد جعفر علی رواںؔ، افتخار الدین علی خاں شہرتؔ، مرزا ہاشم علی طپاںؔ، مرزا قاسم علی ممتازؔ، مرزا لطف علی ولاؔ اور دوسرے شعرا نے اپنی طرحی غزلیں پڑھی تھیں۔ اسی مشاعرے میں مرزا ابوالقاسم خاں نے یہ شعر سنائے تھے۔

ہجر میں اس گل کے گل ہاتھوں پہ کھایا چاہیے
ہاتھ کو گلدستۂ رنگیں بنایا چاہیے
دل کہے ہے گیروی کفنی رنگایا چاہیے
بھیس اے قاسمؔ فقیری کا بنایا چاہیے
جی اسی کے دھیان میں اپنا لگایا چاہیے
دل سے اسباب تعلق سب اٹھایا چاہیے
خانقاہِ قیس پر اور مرقدِ فرہاد پر
شمع اور گل عاشقو جا کر چڑھایا چاہیے
آگ بھڑکی ہے جگر میں بے طرح اے چشم تر
دے کے چھینٹا اشک کا اسکو بجھایا چاہیے
چاہتے ہو گر شفا اس عاشقِ رنجور کی
خاک تھوڑی مرقدِ مجنوں سے لایا چاہیے

لگ رہی ہے لوحی (۱) قاسم اب کئی دن سے ہمیں

حضرت دہلی کو کلکتہ سے جایا چاہیے

بہادر شاہ ظفر کے روزنامچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالقاسم خاں کلکتہ سے دہلی آ کر وقائع نگار سلطانی ہو گئے اور ہیضہ کی وبا میں ۱۲ دسمبر ۱۸۳۵ء کو انتقال کیا۔ (دیوان جہاں ص ۳۴۷، متفرقات ص ۵۰، ص ۱۰۷، علم و عمل ص ۱۴۴، سخن شعرا ص ۳۰۸، بہادر شاہ ظفر کا روزنامچہ)۔

جامِ جہاں نما

مطبوعہ فارسی صحافت کا آغاز "مراۃ الاخبار" سے ہوتا ہے جسے راجہ رام موہن رائے نے ۲۰ اپریل ۱۸۲۲ کو جاری کیا تھا۔ یہ اخبار نہ صرف برِ عظیم پاک و ہند کا پہلا اخبار تھا بلکہ ایران کو شامل کر کے پوری فارسی صحافت میں اس اخبار کو اوّلیت حاصل ہے (ایران میں سب سے پہلا اخبار محمد شاہ قاچار کے عہد حکومت میں ۱۸۳۷ء میں صالح شیرازی کی زیر ادارت نکلا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ برِ عظیم میں فارسی صحافت پندرہ سال پہلے شروع ہو چکی تھی)۔ فارسی کا دوسرا اخبار "جامِ جہاں نما" کے نام سے ہری ہر دت نے ۱۶ مئی ۱۸۲۲ء کو جاری کیا۔ اس اخبار کے ابتدائی چھ شمارے اردو میں نکلے تھے۔ بعد میں اس کی زبان فارسی کر دی گئی۔ ہری ہر دت نے جو کلکتے کے ایک ممتاز بنگالی ہندو صحافی تھے، سدا سکھ لال کو اپنے اخبار کا مدیر مقرر کیا تھا۔ اخبار کی ناشر

۱۔ یہ لفظ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

کلکتے ہی کی ایک انگریز تجارتی کوٹھی ولیم ہاپ کنس اینڈ پرس کمپنی تھی۔ یہ اخبار کلکتے اور اس کے گردونواح میں بسنے والی انگریز آبادی کے لیے نکالا گیا تھا جو سرکاری زبان فارسی سیکھنا چاہتی تھی۔ جام جہاں نما کے سرنامے پر کمپنی کی سرکاری مہر بھی پابندی سے چھپا کرتی تھی۔ اور یہ بدعت انگریزی اخبارات نے بہت پہلے شروع کی تھی۔ جام جہاں نما میں مہر کی اشاعت (ایسٹ انڈیا) کمپنی بہادر سے امداد و مراعات کے حصول کے لیے تھی۔ ولیم بینٹنگ کے دور میں شعبۂ فارسی کے سکرٹری مسٹر اسٹرلنگ نے دیسی اخبارات کے بارے میں جو رپورٹ تیار کی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار کو سرکاری امداد بھی ملتی تھی۔ یہ سرکاری امداد حکومت نے ۱۸۲۸ء میں تخفیف اخراجات کے سبب بند کردی اور ۳ دسمبر ۱۸۲۸ء کو جب اخبار کا اپنا چھاپہ خانہ قائم ہوگیا تو سرکاری مہر کا نشان بھی پیشانی سے غائب ہوگیا۔

جام جہاں نما میں عموماً خبریں ہی ہوتی تھیں۔ سیاسی، اقتصادی اور عام دل چسپی کے مضامین کی طباعت کا کوئی اہتمام نہیں تھا۔ کبھی کبھی کسی نئی کتاب کا اشتہار چھپ جاتا۔ کبھی کبھی اخبار کے اندرونی صفحے پر کوئی غزل چھپ جاتی۔ اورنگزیب کی حکومت کا احوال چھپنا شروع ہوا اور ایک سال تک چھپتا رہا۔ اسی طرح ''الف لیلہ'' کا ترجمہ ۳۰ جنوری ۱۸۳۸ء سے چھپنے لگا مگر نہ معلوم کس وجہ سے ایک ماہ بعد بند ہوگیا۔ عبدالستار صدیقی کے بیان کے مطابق ''جام جہاں نما'' ۱۸ مارچ ۱۸۴۵ء تک نکلتا رہا۔ لیکن اختر شہنشاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۸۸۸ء میں بھی شائع ہورہا تھا البتہ اس وقت مالک منشی غلام حسین اور مہتمم مصور حسین تھے۔

(اردو صحافت انیسویں صدی میں۔ مصنفہ ڈاکٹر طاہر مسعود ص ۱۰۰)۔

۴۔ شیخ امام بخش ناسخ

شیخ امام بخش ناسخ ۱۷۷۲ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۳۸ء میں لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا۔ ناسخ اپنے دور کے بڑے شاعر تھے اور تخلیقی اثر کے اعتبار سے منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ ناسخ کسی کے شاگرد نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی کوشش اور کاوش سے اُستادِ وقت کا درجہ حاصل کیا تھا۔ ریاض الفصحا میں مصحفی نے انھیں ''حلیم الطبع و مہذب الاخلاق'' انسان بتایا ہے۔ ان کے شاگردوں کی کثیر تعداد لکھنؤ اور بیرونِ لکھنؤ پھیلی ہوئی تھی اور یہ سب شعرا انہی کے رنگ میں شعر کہہ کر ناسخ کے رنگِ شاعری کو پھیلا رہے تھے۔ اپنے زمانے میں شعر کے تعلق سے ان کی رائے اسی طرح مُسلّم و مُستند مانی جاتی تھی جس طرح مفتی کا فتویٰ مذہبی امور میں حرفِ آخر کا مرتبہ رکھتا ہے۔ سعادت خاں ناصر نے اسی لیے انھیں ''مفتیِ مسائلِ سخنوران'' کہا ہے۔ اس دور میں ناسخ کے رنگِ شاعری کا یہ اثر تھا کہ ایک زمانے میں خود غالبؔ اور مومنؔ دونوں ناسخ کے رنگ میں شعر کہنے کی کوشش میں مصروف تھے جس کا ذکر غالب نے اپنے ایک خط میں بھی کیا ہے۔ ناسخ شعر و شاعری کے ساتھ اُس دور کی سیاست میں بھی شامل تھے اور اسی وجہ سے انھیں ایک عرصہ تک لکھنؤ چھوڑ کر الٰہ آباد میں جلاوطنی اختیار کرنا پڑی تھی۔

ناسخ نے اتنی بڑی تعداد میں قطعاتِ تاریخ لکھے ہیں کہ اس دور کی تاریخ کے اہم واقعات ان قطعات کو پڑھ کر روشن ہو جاتے ہیں۔ امام بخش ناسخ نے غزلیں بھی کہیں اور مثنویات و قصائد بھی کہے لیکن ان کی اصل تاریخی حیثیت و اہمیت اُن کی غزلوں سے ہی قائم ہے۔ ان کا کل شعری اثاثہ پانچ اردو مثنویوں، تین اردو اور ایک فارسی دواوین پر مبنی ہے۔

ناسخ نے اپنی شاعری کی بنیاد مضمون بندی پر قائم کی اور شعر سے جذبہ و احساس کو پوری طرح خارج کر دیا اور اس سے وہ رنگ وجود میں آیا جو ناسخ سے مخصوص ہے اور جسے غالب نے ''طرز جدید'' کہا ہے اور ناسخ کو اسی رنگ کا موجد ٹھہرایا ہے۔ اس طرز جدید نے اس دور کی نئی اور پرانی دونوں نسلوں کو متاثر کیا۔ طرز جدید کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ مصحفی جیسے اُستاذ الاساتذہ نے اپنے ''سادہ گوئی'' کے طرز کو ترک کر کے اپنا ''دیوانِ ششم'' ناسخ کے رنگ میں مُرتب کیا۔ ناسخ نے اپنے اس رنگِ خاص کو جذبہ و احساس سے عاری کر کے تلازمات' مناسبات' تمثیل' تخیل پردازی اور مبالغے کے استعمال سے ایسی مضمون آفرینی کی کہ وہ رنگ لکھنؤ کے تہذیبی مزاج سے ہم آہنگ ہو گیا۔ طرز جدید میں معنی حقیقی نہیں ہوتے بلکہ قیاسی یا فرضی ہوتے ہیں جن میں کبھی صنعت حُسنِ تعلیل اور کبھی مبالغے سے اور کبھی مناسباتِ لفظی اور تلازمات سے معنی پیدا کیے جاتے ہیں اور یہ معنی احساس و جذبے سے عاری ہوتے ہیں۔ طرز جدید کی یہی خلاقی ہے اور یہی تلاش مضمونِ تازہ ہے۔ اسی وجہ سے اس دور کی شاعری سے ''داخلیت'' خارج ہو گئی اور ''خارجیت'' نے اس کی جگہ لے لی۔

ناسخ نے نہ صرف طرزِ جدید کی بنیاد ڈالی بلکہ اسی کے ساتھ اصلاحِ زبان کا بیڑا بھی اٹھایا۔ انھوں نے ایک طرف خود اپنے وضع کردہ اصلاحِ زبان کے اصولوں کی پیروی کی اور ساتھ ہی اپنے شاگردوں کو بھی ان اصولوں پر چلنے کی تلقین کی اور بالآخر یہ تحریک آگے چل کر ناسخ کے شاگردوں مثلاً علی اوسط رشک' رند اور خواجہ وزیر وغیرہ کے ہاتھوں اپنے عروج کو پہنچی۔

(جناب جمیل جالبی سے انتہائی شکریے کے ساتھ)

فرہنگ

الفاظ	معنی
۱۔ بختی	تیز رو خراسانی اونٹ۔ دو کوہانہ شتر باختری
۲۔ زوایا	جمع زاویہ بمعنی خانقاہ۔ مسافر خانہ
۳۔ خمول	گمنامی
۴۔ آزرم	شرم حیا۔ خجالت۔ شرمندگی
۵۔ افنا	مٹانا۔ فنا کرنا
۶۔ نہضت	کوچ۔ روانگی
۷۔ رایات	جمع رایت بمعنی جھنڈا۔ پرچم۔ علم
۸۔ ہمانا	شاید۔ یقیناً۔ گویا
۹۔ تاویل	ظاہر سے پھیر کر دوسرے معنی پہنانا
۱۰۔ تسویل	افترا۔ سخن آرائی۔ آراستہ کرنا
۱۱۔ معارضہ	برابری کرنا۔ مقابلہ
۱۲۔ الطف	بہت پاکیزہ۔ بہت لطیف
۱۳۔ (۱) وِداد (۲) وَداد	(۱) دوستی (۲) آرزو۔ چاہت
۱۴۔ صفوت	صاف۔ برگزیدہ۔ خلاصہ
۱۵۔ خُلّت	دوستی۔ محبت۔ الفت
۱۶۔ مویہ	نوحہ۔ بین۔ مردے پر منہ اور سر پیٹ کر رونا
۱۷۔ سُترگ	بڑا۔ کلاں۔ بزرگ۔ عظیم
۱۸۔ (۱)۔ مُخ (۲)۔ مَخ	(۱)۔ مغز۔ کھوپڑی۔ گودا (۲)۔ آگ زنبور۔ بھڑ
۱۹۔ باری حال	بہر حال
۲۰۔ طوع خاطر	رغبت خاطر
۲۱۔ تفقد	غمخواری کرنا۔ ڈھونڈنا۔ پوچھنا
۲۲۔ خارخار	خلجان۔ سوچ۔ تعلق باطن
۲۳۔ (۱)۔ عَرَض۔ (۲) عَرض	(۱)۔ نشان۔ مال۔ اسباب۔ سرمایہ (۲)۔ چوڑائی۔

معنی	الفاظ
جو صفت خود قائم نہ ہو۔ جمع اعراض	
چغلخوری	۲۴۔ نمامی
خرد برد۔ بدعنوانی	۲۵۔ حیف و میل
اصرار۔ تکرار	۲۶۔ ابرام
طول کلامی۔ جس دی	۲۷۔ درازنفسی
مصدر شمیدن بمعنی سونگھنا۔ میں نے سونگھا	۲۸۔ شمیدم
جمع مزخرف۔ جھوٹی بات بچی کر دکھائی ہوئی	۲۹۔ مزخرفات
شرعی حکم۔ دریافت کرنا	۳۰۔ استفتا
آگاہ کرنا۔ مشہور کرنا	۳۱۔ اِشعار
تمام۔ آخر۔ گذشتہ	۳۲۔ سپری
جمع مکرہ بمعنی رنج	۳۳۔ مکارہ
میدان	۳۴۔ بیدا
صاف کیا ہوا	۳۵۔ منقح
یکساں۔ پورا	۳۶۔ یکدست
بدگوئی۔ چغل خوری	۳۷۔ سعایت
معلوم ہوا	۳۸۔ حالی شد
تہ خانہ	۳۹۔ مطمورہ
کوچ کرنا۔ اٹھنا	۴۰۔ انجاض
سب لوگ	۴۱۔ کافۂ انام
غمگین۔ اوندھا۔ سرپھرا۔ خفا	۴۲۔ نژند
اعتبار۔ عزت۔ اونچی جگہ	۴۳۔ وقع
فتنہ۔ گڑبڑ۔ ابتری۔ بدنظمی	۴۴۔ ہرج مرج
ظلم۔ افسوس	۴۵۔ حیف

الفاظ	معنی
۴۶-(۱) بزہ کار (۲) بزہ	(۱) خطاکار-گناہ گار (۲) گناہ-ذنب-خطا
۴۷-یکدلی	اتفاق-یگانگت
۴۸-ژاژ	بدمزہ-بیہودہ
۴۹-کار افتاد	غرضمند
۵۰-آسیمہ سر	پریشان حال
۵۱-استخبار	آگاہی حاصل کرنے کی کوشش
۵۲-امعان	گہری نظر ڈالنا
۵۳-ازا	بدلہ-عوض
۵۴-مَحمِدت	تعریف جمع محامد
۵۵-مآرب	مطالب-حاجات-مارب واحد
۵۶-لاجرم	بالضرور-خواہ مخواہ-لاعلاج
۵۷-زخارف	جھوٹی ملمع کاری کی باتیں-زخرف واحد
۵۸-انموذج	نمونہ-اندک-قلیل
۵۹-مباہی	ناز کرنے والا-فخر کرنے والا
۶۰-پدرود	رخصت
۶۱-وہلہ	مرحلہ
۶۲-مستہام	سرگشتہ
۶۳-انصراف	لوٹ آنا-پھر آنا
۶۴-نہجار	سیدھا راستہ
۶۵-متکفل	ضامن-کفیل
۶۶-(۱) مُشعِر (۲) مَشعَر	(۱) خبر دینے والا (۲) مکہ میں حاجیوں کے بال کتروانے کی جگہ
۶۷-انفصال	فیصلہ ہونا-جدا ہونا-طے پانا

معنی	الفاظ
غیر واضح	۶۸-نامصرح
عمدہ-موٹا-مضبوط-اچھا	۶۹-شگرف
بدلہ-عیوض	۷۰-پاداش
مقابل	۷۱-رو کش
غم-فکر-اضطراب	۷۲-تکواسہ
اچھی طرف-اچھی جانب	۷۳-صوب صواب
دوزخ کا ساتواں طبقہ-بے حد گہرا غار	۷۴-ہاویہ
دسترخوان	۷۵-سماط
درشت-سنگین-پُر مایہ	۷۶-غلیظ
جائے پناہ	۷۷-ملاذ
(۱) اطاعت کیا ہوا (۲) جس سے نفع حاصل ہو-سرمایہ-راس المال	۷۸-(۱) مطاع (۲) منطاع
قصد-ارادہ	۷۹-بسیج
اندیشہ، قلب-آفت جمع اخطار	۸۰-خطرہ
جھپٹنا-بہادری دکھانا	۸۱-مبادرت
ٹیلا-پشتہ	۸۲-گریوہ
کسی کی کمی محسوس ہونا	۸۳-جائے کسے سبز بودن
کھانے-سالن	۸۴-خورش ہا
عام-سب	۸۵-عمیم
احسان کرنا-نعمت دینا	۸۶-امتنان
کردار و گفتار کی راستی	۸۷-سداد
امیدوار	۸۸-مترصد
شرمندہ	۸۹-شورہ

الفاظ	معنی
۹۰۔ مُستمند	رنجیدہ۔غمگین
۹۱۔ وافی	پورا۔کامل
۹۲۔ آسیمہ	پریشان۔متحیر۔مدہوش
۹۳۔ عقوبت	دکھ۔سزا۔عذاب
۹۴۔ تبعیت	اتباع۔پیروی۔ماتحتی۔زیردستی
۹۵۔ نیایش	زاری۔تعریف۔دعا۔آفرین
۹۶۔ گرایش	رغبت۔میلان۔خواہش
۹۷۔ داعیہ	ارادہ۔خواہش۔درخواست
۹۸۔ (۱)۔خَرِف	(۱) سٹھیایا ہوا بڈھا۔فرتوت
(۲)۔خَرَف	(۲)۔سٹھیاپن۔بڑھاپے کی بدحواسی
۹۹۔ کج مج	جسے بات کرنے کا سلیقہ نہ ہو
۱۰۰۔ باللہ واللہ ثم تاللہ	عام طور پر قسم کے لیے واللہ و باللہ تو بولا جاتا ہے۔مزید زور دینے کے لیے ثم تاللہ بھی ہے
۱۰۱۔ خیر ختام	خاتمہ بالخیر
۱۰۲۔ وھو خیر الکلام	اور وہ سب سے اچھا کلام ہے
۱۰۳۔ للہ درّ قائل	اللہ بھلا کرے کہنے والے کا
۱۰۴۔ اذا جاء اجلہم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون	جب ان کی اجل آتی ہے تو نہ ایک گھڑی آگے ہوتی ہے نہ ایک گھڑی پیچھے۔
۱۰۵۔ تم کلامہٗ	اس کی بات ختم ہوگئی
۱۰۶۔ دام مجدہٗ	خدا اس کی بزرگی کو دوام بخشے
۱۰۷۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ	اور سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی
۱۰۸۔ والسلام و خیر ختام	والسلام اور خاتمہ بالخیر

ترجمہ طبع زاد تحریر سے زیادہ مشکل کام ہے۔ ترجمے کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف لفظی ہو بلکہ جس زبان میں کیا جا رہا ہے اُس کے روزمرہ و محاورہ کے عین مطابق بھی ہو اور آپ اُسے اس طرح پڑھ سکیں جیسے مصنف نے اسے ترجمے کی زبان میں لکھا تھا۔

پرتو روہیلہ کو فارسی زبان پر عبور حاصل ہے اور اپنے علم و وجدان کے طفیل غالب کے انداز فکر اور طرز احساس کو گرفت میں لانے پر قدرت بھی رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کی استعاراتی فارسی نثر کو انھوں نے اس طرح اردو کا جامہ پہنایا ہے گویا غالب نے یہ مکاتیب اُردو ہی میں لکھے تھے۔ یقیناً یہ پہاڑ جیسا کام تھا جسے انھوں نے بے حد محنت اور انتہائی سلیقے سے انجام دیا ہے۔ اس کارنامے پر میں جناب پرتو روہیلہ کو اونچا ہاتھ اُٹھا کر خلوصِ دل سے سلام کرتا ہوں۔

پچھلے دس سال میں غالب پر جتنے قابلِ ذکر کام ہوئے ہیں پرتوؔ کے یہ تراجم، معیار و مقدار دونوں کے اعتبار سے نمایاں و روشن ہیں۔ فارسی خطوطِ غالب کے اردو تراجم سے انھوں نے اُس بے بہا خزانے کا دروازہ کھول دیا ہے جو گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے مقفل پڑا تھا۔ اب فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومتِ پاکستان پرتو روہیلہ کے ان سارے اُردو تراجم کو ''کلیاتِ مکتوباتِ فارسیِ غالب'' کے عنوان سے جلد شائع کرے تا کہ دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے عاشقانِ غالب ان اُردو تراجم سے لطف اندوز و مستفید ہو سکیں اور پاکستان کا نام ساری دُنیا میں روشن ہو۔

ڈاکٹر جمیل جالبی

